تفسیری افسانے

ابوالاحسان عبدالرؤف میانوی

مکتبہ ربانیہ
الوقار ٹاؤن بھلوال (سرگودھا)

منہاج العابدین
نزد پنجاب بینک کچہری روڈ بھلوال

کتاب کا نام	تفسیری افسانے
تعداد	1000
مولف	عبدالرؤف میانوی
کتابت	منہاج العابدین بھلوال
گرافکس	منہاج العابدین بھلوال
مقام اشاعت	جامعہ ربانیہ بھلوال
قیمت	85 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ ربانیہ بھلوال — مکتبہ حسینیہ سرگودھا

مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی — اسلامی کتب خانہ نیو ٹاؤن کراچی

اس عظیم شخصیت کے نام کہ جس نے اپنی شبانہ روز مساعی سے اس بھٹکی ہوئی قوم کا رخ قصوں و کہانیوں اور موضوع و اسرائیلی روایات سے موڑ کر قرآن کریم اور احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی طرف پھیر دیا میری مراد ہے امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی تغمدہ اللہ تعالی بغفرانہ کہ جنکے شاگردوں سے ہزار ہا لوگوں کی طرح احقر کو بھی تفسیر قرآن کریم سے کچھ حصہ نصیب ہوا۔

ابتدائیہ

زمانہ طالب علمی میں بہت سے واقعات کے بارہ میں اساتذہ کرام سے سنتے تھے کہ یہ از قبیل اسرائیلیات ہیں پھر جب خود کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے کے کچھ قابل ہوئے تو کتب تفسیر میں بہت سی ایسی روایات اور واقعات سامنے آئے کہ جن کے بارہ میں مفسرین کرام کا فیصلہ تھا کہ یہ اسرائیلی روایات و واقعات ہیں۔

یہ صورت حال دیکھ کر دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک ایسی کتاب ہونی چاہئے کہ جس میں ان روایات و واقعات کی نشاندہی کرنے کے بعد یہ بات ثابت کی گئی ہو کہ کتاب ہدایت کی تفسیر ان جھوٹے قصوں اور باطل روایات کی محتاج نہیں ہے چنانچہ اپنی اس خواہش کا اظہار بعض جید اور نامور علماء کے سامنے کیا کہ اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی جائے تو بعض نے تو خاموشی اختیار کی اور بعض نے اپنی مصروفیات کا عذر کیا۔

چونکہ کتب تفسیر میں بھی اسرائیلیات بکثرت موجود ہیں جس کی وجہ سے بہت سے خطباء مقررین۔ واعظین بکثرت انہیں اپنے خطبوں تقریروں اور وعظوں میں بیان کرتے رہتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر اور سن کر دل کڑھتا رہتا تھا۔ اس صورت حال کے تحت احقر نے خود ہی رب العلمین کی مدد سے یہ عظیم اور مشکل کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ اہل علم کے سامنے اس کا تذکرہ بھی کیا تو سب نے تائید کی اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ جس کی وجہ سے انتہائی مشکل ہونے کے باوجود یہ کام کرنا میرے جیسے کم علم کے لئے آسان ہوگیا۔ والحمد للہ علی ذلک

ترتیب کتاب

اصل موضوع شروع کرنے سے پہلے بطور مقدمہ موضوع کتاب کے متعلق چند ضروری مباحث ذکر کی جائیں گی۔ اسکے بعد اس کتاب میں چار ابواب ہونگے۔ باب اول میں کتب تفسیر میں پائی جانے والی بعض اسرائیلی روایات کا تذکرہ کیا جائے گا۔

اور باب ثانی میں فضائل سور کے متعلق بعض موضوع روایات کا ذکر ہوگا۔ اور باب ثالث میں شان نزول کے متعلق من گھڑت روایات آئیں گی۔ اور باب رابع میں شیعی تفسیر کے چند نمونے ذکر کیے جائیں گے۔ مجھے یہ ہرگز دعوی نہیں کہ میں نے کتب تفسیر میں پائی جانے والی تمام اسرائیلی اور موضوع روایات کو جمع کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کام کے لئے تو طویل عمر اور عظیم جدوجہد کی ضرورت ہے۔ بلکہ میں نے تو ان میں سے بعض

ایسے مشہور واقعات و روایات کی نشان دہی کی ہے جو کہ توحید باری تعالی یا کہ عصمت انبیاء علیھم السلام کے منافی ہیں۔ اور معقول و منقول کے بالکل مخالف و متصادم ہیں۔
حق تعالی شانہ کی قدرت کاملہ سے بعید نہیں کہ کسی صاحب علم سے اس موضوع پر تفصیلی کام لے لے

اعتراف

میں یہ اعتراف کرنے میں عار کے بجائے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے اس کا اکثر حصہ بلکہ سب کا سب متقنین علماء اور حفاظ محققین سے لیا ہے۔
میرے تو صرف الفاظ اور تعبیر ہیں اور علماء حق کا دامن تھامنا میرے لئے باعث افتخار ہے
والحمد للہ علی ذلک

ایک ضروری وضاحت

اس بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کہیں میں نے کسی عالم کی رائے یا مروی روایت کی مخالفت کی ہے تو حاشا و کلا اس سے میرا مقصود اس عالم کے حق میں زبان درازی یا خدانخواستہ ہتک عزت نہیں ہے۔
کیونکہ ایسا کرنا جھوٹے مدعیوں عاجز اور مغرور لوگوں کا کام ہے۔ بلکہ میری کوشش رہی ہے کہ دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے۔ اور اگر کسی کو کوئی شبہہ لاحق ہوا ہے تو حق و یقین کے ساتھ اس کا ازالہ کر دیا جائے۔
اسی طرح میں نے ان مفسرین کرام کہ جن سے اسرائیلیات اور موضوعات مروی ہیں کی شان میں تنقیص کرنے سے پورا پورا اجتناب کیا ہے۔
اور ان کی طرف سے بار بار عذر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ یا تو انہوں نے ان مرویات کے راویوں کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے یہ روایتیں بیان کر دی ہیں کہ ان میں صدق و کذب کا احتمال ہے یا پھر انہوں نے یہ روایتیں تو بیان کی ہے لیکن سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ان کا اکاذیب و خرافات ہونا بیان نہیں کیا کہ سامع خود بخود سمجھ جائے گا۔
یا پھر انہوں نے یہ روایتیں بطور انکار و تنبیہ بیان کی تھیں۔ لیکن بعد میں لوگوں نے انکار کے بجائے انہیں بطور اثبات ذکر کر دیا۔ وغیرہ ذلک

قارئین کتاب

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کتاب کے منظر عام پر آ جانے کے بعد جہاں بہت سے لوگ اس کتاب سے موافقت کریں گے۔ وہیں ایک گروہ ایسا بھی ہوگا جو کہ اس کام کی مخالفت کرے گا۔ اور کہے گا اس مولف کتاب کی حیثیت بھلا فلاں فلاں عالم وامام کے مقابلے میں کیا۔ ہے کہ یہ ان کے اقوال وروایات کورد کررہا ہے۔ اور تعاقب واستدراک کررہا ہے تو میں ایسے احباب کی خدمت میں بصد عجز و نیاز یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ معرفت حق نہ تو کسی شخصیت کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی کسی نسل کے ساتھ۔ اور نہ ہی علمی تحقیق کا دروزاہ بند ہے۔ بل ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء بلکہ خدا شاہد ہے کہ میرا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

تحدیث بالنعمۃ

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں الحمد اللہ میں نے اپنی مستعار زندگی قرآن کریم اور حدیث نبوی کی خدمت کیلئے رسول خدا اور اصحاب رسول کے دفاع کیلئے وقف کی ہوئی ہے۔ الحمد اللہ اس کام میں جو لذت ہے کسی اور کام میں نہیں۔ تا دم آخر رب العلمین اس عظیم کام میں لگے رہنے کی توفیق مرحمت فرمادیں۔ آمین۔

یہ کتاب بھی اسی خدمت کا حصہ ہے۔ انشاء اللہ اس کے بعد احادیث موضوعہ پر جلد ہی کتاب منظر عام پر آ جائے گی۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

کم علمی

یہ کام جتنا عظیم تھا اتنا ہی مشکل بھی تھا اور میری ناقص معلومات کے مطابق اردو زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں البتہ اب عربی زبان میں بعض مصری علماء کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ کما یظھر من علوم القرآن لتقی عثمانی مدظلہ۔

اور مجھے کھلے دل سے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا اعتراف ہے اور یقیناً اس عظیم کام میں مجھ جیسے نااہل سے ادبی علمی اور نقل میں غلطیاں ہوئی ہونگی۔ اس لئے میں اپنے ناظرین سے بصد عجز و نیاز گزارش کرونگا کہ اگر کوئی غلطی سامنے آئے تو مجھے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ ان شاء اللہ رجوع الی الحق میں مجھے ذرہ بھر بھی عار نہیں ہوگی۔

تعریف اسرائیلیات

اسرائیلیات یہ اسرائیلیۃ کی جمع ہے اور اسرائیلیۃ بنی اسرائیل کی طرف منسوب ہے۔ قرآن کریم زیادہ تر یہود کو اسی لفظ کے ساتھ مخاطب کرتا ہے اب اسرائیلیات کی اصطلاحی تعریف یہ ہوگی کہ وہ تمام روایات اور واقعات جو کہ بنی اسرائیل کی کتب و ثقافت سے ماخوذ و منقول ہیں اسرائیلیات ہیں۔

اسرائیلیات سے کیامراد ہے۔

بنی اسرائیل کی روایات کا پیشتر مدار توراۃ پر ہے۔ عبرانی زبان میں توراۃ کے معنی شریعت کے ہیں۔ اس لئے اس کا عمومی اطلاق سفر تکوین (پیدائش) سفر خروج سفر احبار، سفر استثناء پر ہوتا ہے۔ توراۃ کے علاوہ دوسرا سلسلہ نبیم ہے۔ یہ عبرانی قاعدہ لغت کے اعتبار سے نبی کی جمع ہے۔ عبرانی میں "ی" اور "م" اضافہ کر کے جمع بناتے ہیں۔ یہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے مواعظ، مراثی اور بنی اسرائیل کے کلام اور مختصر تاریخ کا ذخیرہ ہے۔ جن میں سفر یوشع سفر القضاۃ سفر سموئیل۔ سفر ایام۔ سفر ملوک خصوصیت سے قابل ذکر ہیں تیسرا حصہ ترکوم ہے۔ ترکوم عربی زبان میں ترجمہ کو کہتے ہیں۔ یہودی علماء نے توراۃ اور نبیم کی آرامی زبان میں تفسیر کی ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے یہ تفسیر اپنے انبیاء سے سنی ہے۔ چوتھا حصہ مدارش ہے اس کی حیثیت یہود کے ہاں وہ ہے جو اسلام میں حدیث کی ہے۔ اور پانچواں حصہ تالمود ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا فقہ ہے اور ان سب کے علاوہ بعض وہ قصص و حکایات ہیں جن کو یہود سینہ بسینہ اپنی یادداشت سے مذہبی نقول کی طرح نقل اور بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ یہود کے سلسلہ روایات کی یہ تمام اقسام وہ ہیں جو اسرائیلیات کہلاتی ہیں۔ اور ان میں سے بعض روایات ان علماء یہود کے ذریعہ جو مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ مسلمانوں میں نقل ہو کر مشہور ہو گئیں۔ اس لئے ہمیشہ علماء محققین کا گروہ ان پر تنبیہ کرتا اور ان سے اسلامی روایات کو پاک کرتا چلا آتا ہے۔ اور صرف انہی روایات کے ذکر سے چشم پوشی کرتا ہے جو قرآن عزیز اور صحیح احادیث کے مضامین کی تائید کرتی ہیں۔ (قصص القرآن صفحہ ۱۵۸ جلد ۲)

امید ہے کہ حضرت سیوہاروی رحؒ کے اس اقتباس سے اسرائیلیات کا تعارف قارئین کے ذہن میں آ گیا ہوگا۔

اقسام اسرائیلیات

اسرائیلی روایات کی تین قسمیں ہیں۔

قسم اول وہ کہ جنکی صحت قرآن وسنت سے معلوم ہوتی ہے۔ پس جو روایات قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے موافق ہیں وہ حق اور سچ ہیں اور جو قرآن وسنت کے خلاف ہیں باطل اور جھوٹ ہیں۔ یا کہ جیسے توحید باری یا حضور علیہ السلام کی بشارت کے متعلقہ روایات جو کہ تحریف وتخریب سے بچ گئی ہیں۔ ایسی روایات کو بطور استشہاد یا ان کے خلاف بطور دلیل ذکر کرنا جائز ہے۔

ایسی روایات کے متعلق ہی ارشاد نبوی ہے حدثوا عن نبی اسرائیل ولا حرج (بخاری شریف کتاب الانبیاء)

قسم ثانی

وہ روایات ہیں کہ جن کے جھوٹا ہونے پر قرآن وحدیث مہر ثبت کرتے ہیں۔ مثلا وہ سب روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں جن سے عقیدہ عصمت انبیاء پر زد پڑتی ہے جیسے حضرت یوسف۔ داؤد۔ سلیمان علیہم السلام کے قصوں میں پائی جانے والی روایات اور توراۃ کی وہ روایت کہ جس میں کہا گیا ہے کہ ذبیح اسحاق ہیں۔ اسماعیلؑ ذبیح نہیں ہیں۔ وغیرہ ذلک اگر ان روایات کو کسی وقت بیان کرنا بھی پڑ جائے تو ضروری ہے کہ ان کی حیثیت واضح کی جائے کہ یہ خرافات ومصنوعات اسرائیلیہ ہیں کما قال اللہ یحرفون الکلم عن مواضعہ

فرمان نبوی ﷺ

ایسی روایات کے متعلق ہی حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی ہے اے مسلمانوں اپنی غیر مبدل کتاب قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اہل کتاب سے کیوں سوال کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالی تمہیں فرمارہے ہیں کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں تغیر وترمیم کردی ہے اور اپنے ہاتھوں سے بہت کچھ لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالی نے اتارا ہے تا کہ لوگوں سے پیسے بٹور سکیں۔ خبردار قرآن وحدیث کا علم ہوتے ہوئے ان سے مت سوال کرو۔ خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ قرآن وحدیث کے متعلق تم سے سوال کررہا ہو۔ تو پھر تم ان سے کیوں سوال کرتے ہو بخاری شریف کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ

قسم ثالث

وہ روایات ہیں جو کہ مسکوت عنہ کے درجہ میں ہیں۔ نہ تو ان کی تائید کرنی چاہئے اور نہ ہی تکذیب۔ کیونکہ ممکن ہے کہ روایت میں بیان شدہ حق مضمون ہو اور ہم اسکی تکذیب

کے مرتکب ہو رہے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بات اس کے برعکس ہو یعنی وہ باطل ہو اور ہم اس کی تصدیق کر رہے ہوں۔ شاید ایسی ہی روایات کے بارہ میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیکم۔ کہ نہ تو اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب بلکہ تم کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اسکی نازل کردہ کتب پر ایمان لائے۔ (بخاری شریف کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اس کے باوجود اولیٰ یہی ہے ان روایات کو ذکر کر کے وقت ضائع نہ کیا جائے بلکہ ان سے اجتناب کیا جائے۔

ہماری بات کی تائید ابن ابی شیبہ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ اہل کتاب کی کوئی کتاب حضور علیہ السلام کی موجودگی میں پڑھنے لگے آپ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ میں تمھارے پاس واضح شریعت لیکر آیا ہوں۔ لہذا اہل کتاب سے تم اس سلسلہ میں کوئی بات مت پوچھا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی حق بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کرو۔ اور اسکے برعکس بھی ممکن ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے۔ ابن ابی شیبہ

کتب یہود لکھنے والے پر حضرت عمرؓ کی تشدید

خالد بن عرفطہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک آدمی پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام فلاں فلاں ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا کہ تو سوس میں مقیم ہے اس نے کہا ہاں۔ تو آپ کے ہاتھ میں جو خوشہ تھا اسے مارا۔ اس نے کہا۔ امیر المومنین میرا قصور کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا بتاتا ہوں پھر آپ نے سورۃ یوسف کی ابتدائی آیات لمن الغفلین تک تین دفعہ پڑھیں اور تین دفعہ ہی اسے مارا۔ اس نے پوچھا کہ میرا قصور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے دانیال کی کتاب لکھی ہے۔ اس نے کہا جیسے آپ حکم دیں ویسے کرنے کو تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا جا گرم پانی اور سفید روئی سے اسے مٹا دے۔ خبردار آج کے بعد نہ اسے خود پڑھنا اور نہ ہی دوسروں کو پڑھانا ورنہ میں تجھے عبرت بنا دوں گا پھر فرمایا

بیٹھ جا اور اپنا پیش آنے والا واقعہ سنایا کہ جو کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔ جس کے آخر میں آپ نے فرمایا تھا لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی

خلافت فاروقیہ کا ایک اور واقعہ

خلافت فاروقیہ میں امیر المومنین کے سامنے ایسے دو آدمی لائے گئے

کہ جنہوں نے یہودیوں سے سن کر چند منتخب باتیں لکھ لیں تھیں۔ وہ مجموعہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے حضرت عمر سے پوچھا کہ ہم یہودیوں سے کچھ ایسی باتیں سنتے ہیں کہ جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل دہل جاتے ہیں۔ کیا ہم ایسی باتیں ان سے لے سکتے ہیں یا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا شاید تم نے ان کی کچھ باتیں لکھ رکھی ہیں۔ سنو میں اس سلسلہ میں تمہیں ایک فیصلہ کن واقعہ سناتا ہوں۔ پھر یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک دفعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خیبر گیا۔ وہاں کے ایک یہودی کی باتیں مجھے بہت پسند آئیں۔ میں نے اس سے لکھنے کی درخواست کی چنانچہ اس نے مجھے وہ باتیں لکھ دیں میں نے واپس آ کر حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا وہ مجموعہ میرے پاس لے آؤ۔

میں خوشی خوشی چلا کہ شاید حضور ﷺ کو میرا یہ کام پسند آ گیا۔ چنانچہ میں نے وہ مجموعہ لا کر آپ کی خدمت میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اب ذرا سی دیر کے بعد جو میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ آقا تو سخت ناراض ہیں۔ پھر تو میری زبان سے ایک حرف بھی نہ نکلا اور خوف کے مارے میرے بال کھڑے ہوگئے۔ آپ نے میری یہ حالت دیکھ کر وہ تحریرات اٹھالیں اور ان کا ایک ایک حرف مٹانا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ آپ یہ بھی فرما رہے تھے۔ لاتتبعوا ھولاء فانھم قد ھوکوا وتھوکوا (ان کی اتباع مت کرنا یہ خود بھی گمراہ ہوگئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں) یہاں تک کہ آپ نے اس تحریر کا ایک ایک حرف مٹا دیا۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم نے ان کی باتیں لکھی ہوئی ہوتیں تو میں تمہیں ایسی سزا دیتا کہ تم دوسروں کیلئے عبرت بن جاتے اس پر ان دونوں آدمیوں نے کہا کہ واللہ ہم ہرگز ان سے ایک حرف بھی نہیں لکھیں گے۔ جب وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس سے نکلے تو انہوں نے ایک گڑھا کھود کر وہ دونوں مجموعے اس میں دفن کر دیئے۔ ابن کثیر صفحہ ۵۱۲ جلد ۲

کاش کہ آج بھی کوئی عمر پیدا ہو اور اسلامیات میں موجود اسرائیلیات کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔

امام ابن تیمیہ

قسم ثالث کی مثالیں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسے اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کا رنگ اصحاب کہف کی تعداد اور ان کے تفصیلی حالات، تفصیلات عصائے موسیٰ علیہ السلام کہ کس لکڑی کا تھا۔ اس کا طول کتنا تھا۔ جس درخت سے موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تھی وہ کونسا تھا۔ اور زمانہ موسیٰؑ میں وہ مقتول کون تھا جس کے ساتھ گائے کا گوشت لگانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی طرح مقدار سفینہ نوح اور اسکے متعلق دیگر تفصیلات اور اس لڑکے کا نام کہ جسے خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا اور ان پرندوں کے نام جنہیں رب

العلمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آواز دینے پر زندہ کردیا تھا۔ وغیر ذلک من التفصیلات المنقولہ عن کعب ووھب ومحمد بن اسحاق وغیرہم ممن اخذ عن اہل الکتاب۔ یہ ایسی تفصیلات ہیں کہ دنیا وآخرۃ کا کوئی فائدہ انپر موقوف نہیں اور نہ ہی تفسیر قرآنی کا سمجھنا ان پر منحصر ہے۔ بلکہ بقاعدہ ابھموا ابھمہ اما ابھم اللہ تعالی فی القرآن الکریم یہ تفصیلات اس قابل ہیں کہ انہیں مکمل طور پر ترک کردیا جائے۔ اوران کے پیچھے پڑکر وقت ضائع نہ کیا جائے۔ اور خود قرآن کریم نے بھی اس موقعہ پر کہ جہاں کسی مسئلہ میں متعدد احتمال ہوں اور یقینی بات معلوم نہ ہو تو اسے کے پیچھے پڑنے کے بجائے اس مسئلہ کو مفوض الی علم اللہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ دیکھیئے قرآن کریم

نیا صحاب کہف کی تعداد کے بارہ میں لوگوں کے متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد فیصلہ دیا ہے قل ربی اعلم بعدتھم کہ ایسے مسائل میں الجھنے کے بجائے یہ کہنا چاہیئے کہ اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں

وفیہ الکفایہ لمن لہ الداریۃ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اگر کوئی یہ کہے کہ جو اسرائیلی روایات وضاعین اور متھم بالکذب راویوں سے منقول ہیں ان کو تو ترک کردیا جائے لیکن جو صحیح السند ہیں ان کا کیا جائے۔

جواب یہ ہے کسی روایت کے اسرائیلی اور صحیح السند ہونے میں کوئی تضاد نہیں بلکہ ممکن ہے کہ ایک اسرائیلی روایت کا سلسلہ سند ابن عباسؓ یا عکرمہ اور مجاہد تک صحیح پہنچ جائے لیکن اسکے باوجود وہ جھوٹ بھی ہو جیسا کہ مذاہب باطلہ کے عقائد فاسدہ اور آراء کاسدہ کہ علماء ربانیین انہیں اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ عقائد باطل اور فاسد ہی ہیں۔ اہل حق کے ذکر کرنے سے ان کا قابل قبول ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی طرح روایات اسرائیلیہ کو بھی سمجھ لیا جائے۔

اسماء کتب تفسیر جن میں بکثرت اسرائیلیات پائی جاتی ہیں۔

اب اختصار کے ساتھ چند ایسی کتب تفسیر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن میں بکثرت اسرائیلیات پائی جاتی ہیں۔

1۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ یہ مشہور مورخ ابو جعفر محمد بن جریر کی تالیف ہے المتوفی ۳۱۰ جلالت قدر کے باوجود ان کی تفسیر اسرائیلیات سے محفوظ نہیں رہ سکی جیسے حدیث فتون۔ اور مختلف قصص انبیاء میں اسرائیلیات کی بھرمار ہے۔ اور نکاح النبی علیہ السلام بسیدہ

زینب کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو کہ ایک وضعی داستان ہے۔

2۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ کی تفسیر ہے۔ انہوں نے بھی قصہ ہاروت و ماروت اور قصہ ذبیح اور یہ کہ وہ اسحاقؑ ہیں اسی طرح قصہ یوسف۔ داؤد۔ سلیمان الیاس علیھم السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق ایسی روایات ذکر کی ہیں جو کہ اکثر غیر صحیح اور غیر ثابت ہیں بلکہ ان کا اسرائیلی جھوٹ ہونا ظاہر و باہر ہے۔

3۔ معالم التنزیل۔ یہ حسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۰ کی تفسیر ہے۔ اس تفسیر میں مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ سورۃ والقلم کی تفسیر میں عجیب و غریب مچھلی کا ذکر کیا گیا ہے کہ جس کی پیٹھ پر زمین کھڑی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک خالص اسرائیلی روایات ہے جیسا کہ آپ عنقریب تفصیل پڑھیں گے۔ ان شاء اللہ

4۔ الکشاف۔ اس کے مصنف کا نام محمود بن عمر المتوفی ۵۳۸ گو انہوں نے اسرائیلی واقعات سے بچنے کی کوشش کی ہے لیکن یاجوج ماجوج کے قصہ میں بکثرت اسرائیلی روایات آ گئیں ہیں بلکہ اس کتاب میں بعض موضوع روایتیں بھی آ گئیں ہیں مثلاً وہ طویل حدیث کہ جس میں ہر ہر سورۃ کے علیحدہ فضائل ذکر کئے گئے ہیں۔ اسی طرح قصہ نکاح زینب بنت جحشؓ

5۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل۔ یہ عبداللہ بن عمر والبیضاوی المتوفی ۶۸۵ کی تفسیر ہے۔ یہ شرح الفاظ حل ترکیب اور نکات بلاغۃ بیان کرنے میں زمخشری سے متاثر ہیں اور کشاف سے صفحات کے صفحات نقل کر دیتے ہیں۔ لیکن اہل سنت کے دلائل بیان کرنے میں امام رازی سے متاثر ہیں۔ اس کتاب میں بھی اسرائیلیات تو برائے نام ہیں۔ لیکن ہر سورۃ کے آخر میں فضائل سورۃ والی موضوع حدیث ذکر کرنے میں لغزش ہو گئی۔

علاوہ ازیں البحر المحیط۔ لابی حیان المتوفی ۷۵۴ مدارک التنزیل وحقائق التاویل عبداللہ بن احمد النسفی المتوفی ۷۰۱۔ السراج المنیر۔ لشمس الدین۔ الخطیب المتوفی ۹۷۷۔ ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم لابی السعود الحنفی المتوفی ۹۸۲ لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بہ خازن۔ لعلی بن محمد وغیرہ میں بھی بعض مقامات پر اسرائیلیات کا ذخیرہ آ گیا ہے۔ خصوصاً خازن میں بہت ہی زیادہ ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے۔

ان کے علاوہ متاخرین میں سے مولانا ثناء اللہ مظہری نے بھی اپنی تفسیر میں

بکثرت اسرائیلیات درج کر دی ہیں

واضح رہے کہ زیادہ تر اسرائیلی روایات کعب احبار وہب بن منبہ جو کہ دونوں علماء اہل الکتاب میں سے اور تابعی ہیں ان سے منقول ہیں پھر ان سے سن کر بعض صحابہ وتابعین نے حسن ظن یا ندرت کی وجہ سے نقل کرنا اور بیان کرنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں ان کا شیوع ہو گیا اور یہ اسلامیات کا حصہ سمجھی جانے لگی۔

سرائیلیات کے خلاف علم جھاد بلند کرنے والے مفسرین

امام رازی سب سے پہلے اسرائیلیات کی تردید کرنے والی شخصیت الامام۔ المتکلم۔ الاصولی۔ المفسر فخر الدین محمد بن العلامۃ ضیاء الدین الرازی المتوفی ۶۰۶ ہیں امام رازی ایران کے ری شہر میں پیدا ہوئے جس کے کھنڈرات اب بھی تہران کے نزدیک موجود ہیں۔ بعدہ افغانستان کے شہر ہرات میں رہائش پذیر ہوئے۔ اپنے وصیت نامے میں امام مذکور نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے علم کلام اور علم فلسفہ میں بڑی مہارت حاصل کی اور بڑے بڑے مباحث کیئے لیکن مجھے جتنا فائدہ قرآن کی خدمت کرنے سے حاصل ہوا ہے اور کسی علم سے حاصل نہیں ہوا

تفسیر کبیر

ان کی تفسیر کا اصل نام مفاتیح الغیب ہے لیکن تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے گو ابن عطیہ کا مشہور مقولہ ہے فیہ کل شی موجود الا التفسیر۔ لیکن اگر بنظر غائر تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو ابن عطیہ کا یہ مقولہ انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اور اسکے ایک کامل تفسیر ہونے اور مقولہ مذکورہ کے خلاف واقعہ ہونے پر بے شمار دلائل قائم کیئے جا سکتے ہیں۔

بلاشبہ تفسیر کبیر ایک انتہائی جامع تفسیر ہے اور تقریباً اسرائیلیات سے خالی ہے۔ اگر کہیں اسرائیلیات کا ذکر گیا ہے تو وہ صرف بغرض تردید وابطال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام مذکور نے قصہ ہاروت وماروت اور داوٗد وسلیمان علیھم السلام وغیرہ کے قصوں میں کیا ہے۔ اور قصہ غرانیق کی بھی خوب دھجیاں بکھیری ہیں۔

امام ابن کثیر

اسرائیلیات کے خلاف سب سے زیادہ موثر جھاد کرنے والی شخصیت الامام الجلیل۔ الحافظ، الناقد۔ عماد الدین۔ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی المتوفی ۷۷۴ کی ہے۔

امام ابن تیمیہ کے اخص شاگردوں میں سے ہیں اور اپنے استاذ سے عشق کی حد تک محبت رکھتے تھے۔ اسی محبت کی وجہ سے بہت سے ابتلاءات کا بھی سامنا کرنا پڑا
مختلف کتب رجال میں ان کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ ملتا ہے۔ الامام۔ المفتی۔ المحدث البارع۔ فقیہ۔ متفنن۔ محدث متقن۔ مفسر۔ صاحب تصانیف مفیدہ۔

تفسیر ابن کثیر

ان کی تفسیر کا نام ہے تفسیر القرآن العظیم اور مشہور ہے تفسیر ابن کثیر کے نام سے حقیقت یہ ہے کہ تفسیر مذکور امام ابن کثیر کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جس میں انہوں نے تفسیر و تاویل کے ساتھ روایت اور درایت کو بھی جمع کیا ہے۔ احادیث کے صحیح یا عیف وموضوع ہونے کے ٹھوس فیصلے سنائے ہیں۔ نقد رجال جرح و تعدیل کا خوب حق ادا کیا ہے۔ اور تفسیر القرآن بالقرآن کا بھی خوب اہتمام کیا ہے۔

امتیازی شان

بایں ہمہ جو بات امام ابن کثیر اور انکی تفسیر کو سب سے جدا کرتی ہے وہ ہے اسرائیلیات وموضوعات کا تعاقب کبھی ان پر حکم لگاتے ہیں کہ یہ روایات باطلہ میں کبھی روایات کا ذبہ ہونے کا فیصلہ سناتے ہیں کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اختصار کے ساتھ ۔(یہی وجہ ہے کہ ہماری اس کتاب کی تیاری میں
ابن کثیر کو بنیاد اور متن کی حیثیت حاصل رہی ہے)۔ اسلئے پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ امام مذکور کے بعد اسرائیلیات پر تنبیہ کرنے والے سب کے سب لوگ امام ابن کثیرؒ کے ہی خوشہ چین اور انہیں سے استفادہ کرنے والے ہیں واقعی امام ابن کثیر کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ کہ جس کی مثال لانی مشکل ہے۔

ایک عظیم مدرسہ

عالم حیرت میں جب ہم سوچنے بیٹھے کہ امام ابن کثیر نے یہ عظیم کارنامہ کیسے سرانجام دیا تو ہماری رسائی ایک مدرسہ تک ہوئی کہ جہاں کے تمام فضلاء حافظ الحدیث اور جامع بین الروایہ والدرایہ ہیں صاحب جرح و تعدیل ہونے کے ساتھ معقولات ومنقولات کے بھی ماہر ہیں آپ حیران ہونگے کہ وہ کونسا مدرسہ ہے تو سنئے وہ مدرسہ ہے شیخ الاسلا امام ابن تیمیہ کا کہ جس کے فضلاء ابن قیم، امام ذہبی، ابن عبدالھادی اور امام ابن کثیر جیسے اساطین ہیں جن میں سے ہر ایک نے علمی دنیا میں کارہائے نمایاں سرانجام دئے ہیں ہماری ناقص عقل نے فیصلہ دیا کہ اس عظیم درس گاہ میں پڑھنے والی عظیم شخصیت امام ابن کثیر کو ایسا

ہی عظیم اور فقید المثال کارنامہ سرانجام دینا چاہئے تھا۔ فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء

امام آلوسی

امام ابن کثیر کے بعد سب سے زیادہ جہاد اسرائیلیات کے خلاف جس شخصیت نے کیا ہے وہ ہے خاتم المحققین۔ عمدۃ المدققین۔ امام المفسرین۔ ابوالثناء۔ شہاب الدین۔ السید۔ الامام محمود بن عبداللہ الآلوسی۔ البغدادی۔ الحنفی۔ مفتی بغداد۔ المتوفی ۱۲۷۰

روح المعانی

ان کی تفسیر کا پورا نام روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی ہے جس کی تکمیل پر امام آلوسی نے اپنی قیمتی زندگی کے پورے پندرہ سال خرچ کئے ہیں۔ بلاشبہ روح المعانی ایک انتہائی جامع اور کامل تفسیر ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ یہ تفسیر سابقہ تمام تفاسیر کا مغز اور خلاصہ ہے امام آلوسیؒ صرف ناقل ہی نہیں بلکہ ایک للکارنے والی عظیم علمی شخصیت ہیں۔ اور چونکہ علامہ آلوسیؒ متاخرین میں سے تھے۔ اور متقدمین کے علوم و معارف پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ علم تفسیر کے علاوہ علوم حدیث کے بھی امین تھے۔ احادیث کی اسناد اور متون پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اس لئے ان سے سوائے ایک آدھ مقام پر کوئی ایسی لغزش نہیں ہوئی جیسا کہ سابقہ مفسرین سے وقوع پذیر ہو چکی ہیں۔ اسلئے ان کی کتاب احادیث موضوعہ اور خرافات اسرائیلیہ سے مبرا ہے جہاں کہیں انہوں نے اسرائیلیات کا ذکر کیا ہے تو اس کا مقصد صرف ان کا ابطال و تردید ہے۔ اور اپنے علمی تیروں کے ذریعہ ہفوات اسرائیلیہ کو ھباءً منثوراً کرنا ہے۔

مولانا حفظ الرحمن سیوھاروی مرحومؒ

اگر ہم اردو میں اسرائیلیات کے خلاف جہاد کرنے والوں میں رئیس المحققین مولانا سیوھاروی مرحوم کا ذکر نہ کریں تو بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ ہماری ناقص معلومات کے مطابق شاید ہی اردو زبان میں ان سے زیادہ کسی نے اس موضوع پر علمی و تحقیقی کام کیا ہو (رحمہ اللہ تعالیٰ) اس کے لئے دیکھئے قصص القرآن

حدیث موضوع

اسرائیلیات اور ان کے ماخذ کا تعارف کروانے کے بعد ضروری ہے کہ موضوعات کا بھی تعارف کروا دیا جائے ہمیں اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ مقدمہ طویل ہو رہا ہے۔ لیکن یہ ایسی اہم تحقیقات ہیں کہ شاید ان کے ذکر کے بغیر یہ کتاب ادھوری رہے۔ لیکن پھر بھی ہماری کوشش ہے کہ اس بحث کو چند سطور میں سمیٹنے کی

کوشش کی جائے۔

تعریف حدیث موضوع

ھوالحدیث المصنوع المکذوب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر حضور علیہ السلام کے ذمہ لگا دی جائے۔ اور بد قسمتی سے ایسا بکثرت ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ آپ باب دوم میں مشاہدہ فرمائیں گے۔ ایک دو مثالیں یہاں بھی مشاہدہ فرمائیں۔

چار سو احادیث گھڑنے والا۔

مھدی کہتے ہیں کہ میرے سامنے ایک زندیق نے چارسو احادیث گھڑنے کا اقرار کیا۔

بارہ ھزار

حماد بن زید کے بقول زنادقہ نے بارہ ہزار جھوٹی حدیثیں گھڑ کے حضور کی طرف منسوب کر دی ہیں (موضوعات کبیر صفحہ ۱۹)

بیس ھزار

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو بیس ہزار موضوع احادیث یاد تھیں۔ (تاکہ لوگوں کو ان سے متنبہ کر سکیں) (نور الانوار صفحہ ۱۹۶)

حکم حدیث موضوع

جھوٹی حدیث گھڑ کر حضور علیہ السلام کے ذمہ لگانا اس کے گناہ کبیرہ ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں البتہ امام جوینی شافعی امام ناصر الدین المالکی اور امام ذہبی بھی حلال و حرام کے بارہ میں حدیثیں گھڑنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد الٰہی ہے انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بایات اللہ (النحل)

اس آیت کریمہ میں جھوٹ گھڑنے والوں سے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ (الاسرائیلیات والموضوعات)

اور ارشاد نبوی ہے من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ فی النار (رواہ البخاری ومسلم)

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث گھڑنا یا اسے روایت کرنا شرعاً گھناؤنے جرم ہیں۔ کسی مسلمان کے

لئے مناسب نہیں کہ کسی بھی مقصد کیلئے حدیث گھڑے یا اسے روایت کرے دعا ہے کہ رب العالمین اسرائیلیات اور موضوعات سے امت مسلمہ کو اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے

آمین

وانا العبد المسکین

عبدالرؤف

خادم جامعہ ربانیہ

الوقار ٹاؤن بھلوال سرگودھا

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۴

۱۳ جون سن ۲۰۰۳

بروز جمعۃ المبارک بوقت صبح نو بجے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

۱۔ قصہ آدم اور اسرائیلی روایات

فازلھما الشیطن عنھا ۔۔۔۔ الایہ سورۃ البقرہ آیۃ نمبر ۳۶

وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا کو جنت میں ٹھہرایا تو انہیں ایک درخت کھانے سے منع فرمایا۔ جسکی ٹہنیاں انتہائی گھنی تھیں۔ اور اس درخت کا پھل فرشتے کھاتے تھے۔ تاکہ ہمیشہ کی زندگی حاصل رہے۔ لیکن آدم وحوا کو یہ پھل کھانے سے منع کردیا گیا۔ جب ابلیس نے انہیں پھسلانے کیلئے جنت میں جانیکا ارادہ کیا تو جنت کے محافظ فرشتوں نے اسے جنت میں جانے سے روک دیا۔ تو اس کے پاس سانپ آیا۔ جبکہ ابلیس کی پہلے سے اسکے ساتھ دوستی تھی۔ اور یہ سانپ تمام جانوروں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ اونٹ کی طرح اس کے چار پاؤں تھے۔ اور یہ بھی جنت کا محافظ تھا۔ ابلیس نے اسے کہا کہ تو مجھے منہ میں رکھ کر جنت میں پہنچا دے۔ جسے اس نے قبول کرلیا اور لے کر چل پڑا۔ دوسرے محافظوں کو پتہ نہ چل سکا۔ کہ ابلیس اس کے منہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس طرح یہ جنت میں پہنچ گیا۔ اور جس درخت کے کھانے سے آدم وحوا کو منع کیا گیا تھا۔ اس کا پھل توڑا اور حوا کے پاس آ کر کہنے لگا۔ اس پھل کو دیکھو کہ اسکی خوشبو کتنی اچھی ہے۔ ذائقہ کتنا بہترین ہے۔ اور رنگ کیسا اچھا ہے۔ حوا نے لیکر کھالیا۔ پھر وہ آدم کے پاس گئیں۔ انہیں بھی شیطان والی بات کہی۔ چنانچہ انہوں نے بھی کھالیا۔ جسکی وجہ سے جنتی لباس اتر گئے۔ اور ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں۔ جس پر حضرت آدم ایک درخت کے تنے میں چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے آدم تو کہاں ہے۔ انہوں نے عرض کیا اے میرے رب آپ سے شرم آتی ہے۔ ارشاد ربانی ہوا کہ وہ زمین ملعون تھی جس سے تو پیدا کیا گیا تھا۔

پھر اللہ تعالی نے حوّا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو نے میرے بندے کو دھوکہ دیا ہے۔لہذا تیری سزا یہ ہے کہ تو حمل کے دوران سخت تکلیف اٹھائیگی ۔اور جب تو بچہ جنے گی تو موت کے منہ میں بھیج دی جائیگی۔اور سانپ سے کہا کہ تو اس ملعون کو جنت میں لے جانیکا سبب بنا ہے۔جس نے میرے بندے کو ورغلایا ہے۔ تو بھی ملعون ہے ۔تیری ٹانگیں تیرے پیٹ میں داخل کی جاتی ہیں ۔اور تیری خوراک مٹی ہوگی ۔تو اولاد آدم کا ہمیشہ دشمن رہے گا۔اور وہ تیرے دشمن ۔ابن جریر طبری ۱۸۶/۱ج

تسلی بخش جواب ۔

عمرو کہتے ہیں کہ جب ہم نے اپنے استاد وھب سے پوچھا کہ فرشتے کیسے کھاتے ہیں ۔تو انہوں نے کہا یفعل اللہ ماشاء یعنی اللہ تعالی جو چاہے کرتا ہے یعنی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔

حقیت یہ ہے کہ یہ ایک خالص اسرائیلی داستان ہے جو کہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ۔نہ روایۃً اور نہ ہی درایۃً

روایۃً اس لئے قابل قبول نہیں کہ اس روایت کے مرکزی راوی وھب بن منبہ صنعانی ہیں جو کہ گو ایک تابعی ہیں ۔لیکن اسرائیلی کتب سے اندھا دھند نقل کرنے میں بڑے ماہر تھے۔یہی وجہ ہے کہ کتب تفسیر میں کثیر تعداد میں پائی جانے والی اسرائیلی روایات اور جھوٹے قصوں کا ذمہ دار انہیں ہی ٹھہرایا گیا ہے کاش کہ وھب ایسا نہ کرتے کاش کہ مفسرین اپنی کتب کو ان جھوٹے قصوں سے پاک رکھتے۔

اور درایۃً اس طرح قابل قبول نہیں کہ اولاً تو خود اس روایت کے آخر میں موجود ہے کہ وھب کے شاگردوں کو خود اس روایت کے بارے میں شک تھا اس لئے تو انہوں نے سوال کیا کہ فرشتے کیسے کھاتے ہیں جسکا جواب تسلی بخش نہ مل

سکا اور یہ کہ انہیں ٹال دیا گیا کہ اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

اور ثانیاً اس لئے کہ وسوسہ شیطانی کے لئے قرب ضروری نہیں کہ وہ آدم علیہ السلام کے قریب جانے کے لئے مذکورہ روایت میں بیان شدہ پاپڑ بیلتا بلکہ وہ دور سے وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ بقول حضرت سیوھاروی مرحوم جس طرح ایک آواز ٹیلی فون اور ریڈیو کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دور جا سکتی ہے۔ یا جس طرح لاسکی (وائرلیس) میں صرف شعاعوں اور آواز کی لہروں کے ذریعہ سے ایک پیغام ہزاروں میل دور پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کیوں ممکن نہیں کہ قربت یا بالمشافہ مخاطبت کے بغیر ہی شیطان کا وسوسہ نفس انسانی تک پہنچ جائے اور اس پر اثر انداز ہو تب واقعہ کی صورت یہ ہوئی کہ شیطان نے جنت سے باہر ہی رہ کر حضرت آدم اور حضرت حوا کے قلوب میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکانے کی کوشش کی آیت **فوسوس لها الشیطان** سے یہی ظاہر ہوتا ہے

(قصص القرآن صفحہ ۴۸/ج ۱)

نیز روایت مذکورہ میں جو سانپ کی ابتدائی عجیب وغریب خلقت بیان کی گئی ہے۔ یہ محض ایک خوبصورت تصور ہی ہے ورنہ حقیقت سے اسکا کوئی تعلق نہیں خالق کائنات نے اسے ابتدائے آفرینش سے اسی شکل وصورت میں پیدا کیا تھا جسپر آج تک ہے۔

اس کے علاوہ بھی اس روایت میں بہت سے نقائص ہیں جو کہ غور کرنے پر معلوم ہو سکتے ہیں۔

فرمان رازی

اب تھوڑا سا آگے چلیئے اور اس سلسلہ میں امام رازی کا فرمان سنیے امام رازی آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے قصہ مذکورہ کو قول القصاص قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس جیسی روایات سے پرہیز واجب ہے نیز فرماتے ہیں کہ ابلیس اگر سانپ کے منہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ تو خود سانپ کی شکل اختیار کر کے بھی جنت میں جا سکتا تھا۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۱۵ جلد ۲۲)

فرمان ابن کثیر

اللہ تعالیٰ کی کروڑ ھا رحمتیں نازل ہوں ابن کثیر پر کہ جنہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ اس روایت کے تمام طریق پر اسرائیلی ہونے کا حکم ثبت کیا ہے وہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ سانپ اور ابلیس کا قصہ۔ ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا اور کس طرح وسوسہ ڈالا یہ سب اسرائیلی اخبار ہیں
(ابن کثیر صفحہ ۸۵/ ج ۱)

سیو ھاروی فیصلہ

توراۃ وانجیل میں اس قصہ کے متعلق جو واقعات مذکور ہیں۔ مثلاً سانپ اور طاؤس کا قصہ یا اس قسم کی اور باتیں جو قرآن عزیز اور صحیح روایات حدیثی میں نہیں پائی جاتیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے۔

یہ سب اسرائیلیات کہلاتی ہیں۔ اور بے اصل ہیں۔ ان کی پشت پر نہ علم یقین اور نہ ہی علم صحیح (وحی الٰہی) کی سند ہے۔ اور نہ عقل و تاریخ کی شہادت۔ اس لئے من گھڑت اور بے سروپا باتیں ہیں۔ بعض مفسرین بھی ایسی روایات کے نقل میں سہل نگاری برتتے ہیں۔ جس سے بہت بڑا نقصان یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عوام نہیں بلکہ خواص بھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان روایات کو اسلامی روایات میں دخل ہے۔ اور یہ بھی صحیح روایات کی طرح صحیح اور قابل قبول ہیں۔ اسلئے ازبس ضروری ہے کہ نہ صرف کتب تفسیر و حدیث بلکہ کتب سیرت کو بھی ان سے پاک رکھا جائے
(صفحہ ۵۰/ ج ۱)

ربنا احفظنا من نقل هذا الخرافات و سماعها

۲۔ فتلقّٰی آدم من رّبہٖ الایہ

اب اس آیت کے تحت کتب تفسیر میں درج بے سروپا روایات پڑھئے

۱۔ جب آدم علیہ السلام نے پھل کھانے کا گناہ کر لیا تو آسمان کیطرف سر اٹھایا اور عرض کیا **اسالك بحق محمد الا غفرت لی** جس پر آدم کی طرف وحی کی گئی **من محمد** ؟ جوابا عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تو میں نے جب سر اٹھا کر آپ کے عرش کی طرف دیکھا تو اس پر لکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس پر میں نے جان لیا کہ آپ کے ہاں جو رتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کسی اور رسول کو حاصل نہیں کہ جن کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے جس پر اللہ تعالی نے وحی بھیجی کہ وہ آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہے اگر اس نے نہ آنا ہوتا تو میں آپکو بھی پیدا نہ کرتا

(الدر المنثور للسیوطی)

۲۔ یہ ہی داستان ایک اور سند واہی کے ساتھ ذرا تفصیل سے سنیے کہ اللہ تعالی نے آدم کو ہند اور حوا کو جدہ اور ابلیس کو بیسان اور سانپ کو اصبہان میں اتارا سانپ کے اونٹ کی طرح چار پاؤں تھے آدم ہندوستان کے علاقہ میں ایک سال تک اپنی غلطی پر روتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے جرائیل کو ان کے پاس بھیجا اور کہا کہ اے آدم کیا میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ کیا میں نے تیرے اندر اپنی روح نہیں پھونکی؟ کیا میں نے فرشتوں سے تجھے سجدہ نہیں کروایا؟ کیا میں نے تیرے ساتھ اپنی بندی حوا کا نکاح نہیں کیا؟

آدم نے تمام سوالوں کا جواب ہاں میں دیا

پھر اللہ نے پوچھا **فما هذا البكاء** یہ رونا کیسا؟

آدم نے عرض کیا کہ میں کیوں نہ روؤں جبکہ میں رحمٰن کے پڑوس سے نکال دیا گیا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کلمات کے ساتھ دعا کر تیری توبہ قبول اور گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

اللھم انی اسالك بحق محمدﷺ و آل محمد سبحانك لا اله الا انت عملت سوا و ظلمت نفسی فاغفرلی انك انت الغفور الرحیم

یہ کلمات آدم کو سکھائے گئے (مسند الفردوس للدیلمی)

۳۔ اسی سلسلہ کی تیسری داستان سنیے

عن ابن عباسؓ حضور سے پوچھا گیا کون سے کلمات آدم کو سکھائے گئے تھے تو آپ نے فرمایا وہ کلمات یہ ہیں۔

سال بحق محمد علی و فاطمه والحسن و الحسین

(الدر المنثور)

جس پر ان کی توبہ قبول کی گئی جبکہ اس روایت کے الفاظ دہائی دے رہے ہیں کہ انہیں گھڑنے والے روافض ہیں۔

آگے چل کر اسی روایت میں کہا گیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو ان کا رنگ سیاہ تھا پھر تین روزے رکھنے کی وجہ سے ان کا رنگ سفید ہو گیا۔ جسکی وجہ سے ان کا نام ایام بیض ہو گیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت آدم بادل سے پانی پیتے تھے۔ بلکہ کعب سے تو یہ بھی مروی ہے کہ سب سے پہلے درہم و دینار بنانے والے آدم ہیں۔ روایت کا آخری حصہ بتلا رہا ہے کہ یہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے کیونکہ کعب سلسلہ اسرائیلیات کی ایک مضبوط کڑی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ آخری دونوں روایتیں شیعی اور اسرائیلی خزانہ سے ماخوذ ہیں۔

اب اس سلسلہ کی سب سے پہلی روایت جو کہ اکثر واعظین بیان کرتے رہتے ہیں اور بکثرت کتب فضائل میں ذکر کی جاتی ہے اس کے بارے میں قدرے تفصیل سے

سنیے کہ یہ روایت کس طرح سنداً و معنیً واجب الترک ہے۔ سنداً اس لئے کہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں اسے موضوع قرار دیتے ہیں کیونکہ اسمیں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید ہے جو کہ انتہائی ضعیف ہے اور دوسرا راوی عبداللہ بن مسلم الفہری ہے جو کہ مجہول ہے۔ **لا ادری من هو** (میزان الاعتدال) (بحوالہ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ)

اسی طرح حافظ ابن حجر اسے خبر باطل قرار دیتے ہیں۔

(لسان المیزان بحوالہ سلسلہ)

اور امام ابن تیمیہ۔ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید ہے جو کہ اپنے باپ سے من گھڑت احادیث بیان کرتا ہے اور اس سند میں بھی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیہ کے الفاظ موجود ہیں۔ **القاعدة الجليلة في التوسل والوسيله** صفحہ ۴۹

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ روایت نبی معصوم سے ثابت نہیں یہی وجہ ہے امام ذہبی و حافظ ابن حجر جیسے رجال فن نے اس روایت کے باطل اور موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اور معنیً اس لئے یہ روایت قابل ترک ہے یہ روایت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے کہ حضرت آدم نے حضور علیہ السلام کو اپنی پیدائش کے فوراً بعد جنت کے اندر اور زمین پر اترنے سے پہلے ہی پہچان لیا تھا۔ جبکہ ابن عساکر کی ایک روایت میں (جو اگرچہ ضعیف ہے لیکن سنداً اس سے بہتر ہے۔) موجود ہے کہ حضرت آدم نے حضور علیہ السلام کو ہندوستان میں اترنے کے بعد پہچانا ہے۔

وہ روایت ملاحظہ کیجیئے کہ حضرت آدم کو جب ہندوستان میں اتارا گیا تو بہت گھبرا گئے۔ جبرائیل نازل ہوئے انہوں نے اذان کہی جب انہوں نے اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو آدم نے پوچھا من محمد جبرائیل نے جواب دیا آخر **ولدك من الانبياء** کہ نبیوں میں سے آپ کا آخری بیٹا ہے۔

(ابن عساکر ۲/۳۲۳)

ان دونوں روایتوں میں تضاد واضح ہے لہذا جو روایت سنداً و معنیً مخدوش ہو وہ نہ صرف مردود بلکہ واجب الترک ہوتی ہے **اعاذ نا اللہ منها**

كلمات كی صحیح تفسیر

حقیقت یہ ہے کہ جو کلمات آدم علیہ السلام کو تلقین کیے گئے تھے وہ نہ **الهم اسالك بحق محمد** ہیں اور نہ ہی **بحق على وفاطمه** وغیرہ بلکہ قرآنی سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلمات وہی ہیں جنہیں قرآن نے خود بیان کر دیا ہے یعنی **ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنكونن من الخسرين** ۔ جب آدم حوا علیہ السلام نے ان کلمات کے ذریعے دعا کی تو ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

۳۔ وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت

قصہ ھاروت و ماروت

حق یہ ہے کہ ھاروت و ماروت دو فرشتے تھے جو کہ انسانی آزمائش کیلئے زمین پر اتارے گئے اور غالباً ان فرشتوں کو زمین پر اتارنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جادو اتنا عام ہو گیا تھا کہ بکثرت جادوگر ملتے تھے۔ اور بعض دفعہ یہی جادوگر دعوی نبوت بھی کر دیتے تھے اور جادو کے بل بوتے لوگوں کو عجیب وغریب کرتب دکھا کر اپنی جھوٹی نبوت منوا لیتے اور لوگ جادوگروں کی شعبدہ بازی سے اس قدر متاثر ہو گئے کہ انہیں حق سمجھنے لگے اور جادوگروں کے چنگل میں ایسے گرفتار ہوئے کہ ان کے لئے جادو اور معجزہ میں فرق کرنا مشکل ہو گیا اس طرح جادو کے ذریعے گمراہی پھیلنے لگی اور لوگ نبیوں ولیوں اور جادوگروں ،شعبدہ بازوں کو ایک ہی سمجھنے لگے تو اسوقت اللہ تعالی نے حق اور باطل ,معجزہ اور جادو نبی اور جادوگر کے درمیان فرق ظاہر کرنے کیلئے ان فرشتوں کو جادو کا علم دیکر کچھ وقت کیلئے زمین پر بھیجا تا کہ لوگ ان سے یہ فرق سمجھ کر شعبدہ بازوں کے مکروفریب سے بچ سکیں یہی وجہ ہے کہ جب کوئی آدمی ان فرشتوں کے پاس جادو سیکھنے آتا تو وہ کہتے تھے کہ ہم تو ایک امتحان و آزمائش ہیں لہذا جادو سیکھ کر کفر میں نہ پڑنا پس جو آدمی جادو سیکھ کر اس کے مطابق عمل شروع کر دیتا وہ تو کافر ہو جاتا اور جو آدمی صرف حق اور باطل ,معجزہ اور شعبدہ کے درمیان فرق سمجھنے کیلئے جادو کے اصول وفروع سیکھتا اور اس پر عمل نہ کرتا تو وہ پختہ مومن ہوتا لیکن رب العالمین فرماتے ہیں کہ یہودی اسے غلط مقاصد کیلئے استعمال کرنے لگ گئے کہ اس جادو کو میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑا ڈالنے کا ذریعہ بنالیا۔ اس سے یہودیوں کی ذہنی پستی بھی بیان کرنا مقصود ہوسکتا ہے کہ وہ اتنے گھٹیا تھے کہ فرشتوں کی تنبیہ کے باوجود جادو پر ایسے ٹوٹ پڑے کہ ہنستے بستے گھر اجاڑنا ان

کا محبوب مشغلہ بن گیا اب اس تفصیل کے بعد کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جادو جب کفر ہے تو اس کی تعلیم کیسی, کیونکہ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے مذاہب باطلہ مثلاً یہودیت عسائیت مرزائیت رافضیت کی تردید کیلئے ان باطل مذاہب کا علم کسی استاد سے حاصل کیا جائے اور وہ استاد اس یقین دہانی پر مذکورہ علم سکھائے کہ شاگردان باطل مذاہب کی تردید کرے گا لیکن خدانخواستہ اگر وہ شاگر علم حاصل کرنے کے بعد خود بد مذہب ہو جائے یا اس علم کا غلط استعمال کرے تو اس میں استاد کا کیا قصور؟

قصہ ہاروت وماروت اور اسرائیلی روایات

بات اتنی سی تھی جو کہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمائی لیکن بعض کتب تفسیر میں اس آیت کے تحت ایک مرفوع روایت اور کچھ عجیب وغریب آثار صحابہ درج کئے گئے ہیں جو کہ حقیقت میں نہ مرفوع حدیث ہے اور نہ ہی آثار صحابہ بلکہ کعب احبار اور بعض دوسرے علمائے یہود کے بیان کردہ قصے ہیں جو کہ بقول بعض محققین اسرائیلی خرافات کہے جانے کے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ خلاصہ ان قصوں کا یہ ہے کہ جب فرشتوں نے دیکھا کہ انسانوں کے بکثرت گناہ آسمانوں پر آرہے ہیں تو انہوں نے طعن کیا کہ دیکھو کہ یہ کیسی ذلیل مخلوق ہے کہ اللہ تعالی کی ہر قسم کی نعمتوں کے باوجود اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتی ہے اللہ تعالی کو یہ طنز وطعن پسند نہ آیا اور فرمایا کہ اگر تمہیں زمین پر اتاردوں اور تمہارے اندر وہی صلاحیتیں رکھ دوں جو ان میں ہیں تو تم وہی کچھ کرو گے فرشتوں نے عرض کیا اے اللہ تو پاک ہے ہم ہرگز آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے ۔ اس پر حکم خداوندی ہوا کہ تم میں جو زیادہ نیک ہیں انہیں منتخب کرلو چنانچہ فرشتوں نے ہاروت وماروت اور عزرائیل کو منتخب کیا اللہ تعالی نے ان میں شھوات پیدا کر کے انہیں زمین پر جانے کا حکم دیا کہ جاؤ اور لوگوں کے مقدمات میں انصاف کے ساتھ

فیصلہ کرنا۔ شرک, ناحق قتل اور زنا اور شراب نوشی سے بچتے رہنا حسب ارشاد
تینوں فرشتے زمین پر آئے اور اپنی خدمات میں مصروف ہو گئے ایک مرتبہ
عزرائیل کے دل میں شہوت پیدا ہوئی اسی وقت اللہ تعالی سے معافی چاہی اور
دعا کی کہ مجھے آسمان پر آنے کی اجازت دی جائے اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول
فرمائی اور وہ اس شہوت کے کفارہ کے طور پر چالیس سال سجدہ میں پڑے رہے
اور اب تک ندامت کی وجہ سے سر نیچے رکھتے ہیں۔

رہے ھاروت و ماروت تو وہ دونوں دن بھر لوگوں میں منصفانہ فیصلے
کرتے اور شام کو بذریعہ اسم اعظم آسمان پر چلے جاتے ابھی تک ایک مہینہ بھی
اس حالت میں نہ گزرا تھا کہ امتحان خداوندی پیش آیا وہ یہ کہ ایک زھرہ نامی
عورت نے ان فرشتوں کی عدالت میں اپنے خاوند کے خلاف کیس دائر کیا۔
زھرہ ایرانی النسل انتہائی حسین وجمیل عورت تھی یہ اسے دیکھتے ہی اس پر عاشق
ہو گئے اور بدکاری پر آمادہ کرنے لگے جس پر زہرہ نے کہا تم جب تک شراب نہ
پیو گے قتل نہ کرو گے اور بت کو سجدہ نہیں کرو گے یہ کام نہیں ہوسکتا چنانچہ پہلے
انہوں نے شراب پی پھر قتل کیا اور بت کو سجدہ کیا اور اس کے بعد اسکے ساتھ
ہمبستر ہوئے اور اسی دوران اس نے پوچھا کہ تم آسمان پر کیسے جاتے ہو جسپر
فرشتوں نے اسے اسم اعظم سکھا دیا جس کے بعد زھرہ اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر
چلی گئی جہاں اسے مسخ کر کے اللہ تعالی نے زھرہ ستارہ بنا دیا اور فرشتوں پر یہ
گذری کہ جب شام کو حسب معمول آسمان پر چڑھنا چاہا تو پروں نے ساتھ نہ دیا
اس طرح وہ آسمان پر نہ چڑھ سکے اس دور میں حضرت ادریسؑ نبی تھے یہ دونوں
فرشتے ان کی خدمت میں پہنچے اور دعا و شفاعت کی درخواست کی بارگاہ خداوندی
سے جواب ملا کہ ان گناہوں پر عذاب تو ضرور ہوگا البتہ تمہیں دنیوی اور اخروی عذاب
میں اختیار دیا جاتا ہے کہ جو چاہو پسند کرو فرشتوں نے دنیاوی عذاب محدود اور متناہی
ہونے کیوجہ سے اختیار کرلیا جس کی وجہ سے وہ آج تک بابل کے ایک آگ بھرے
کنویں میں لٹکے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اب بھی جو شخص انکو آواز دیکر ان سے جادو سیکھنا

چاہتا ہے تو اول تو وہ اسے منع کرتے ہیں اور کافر ہو جانے کا خوف دلاتے ہیں لیکن جب وہ اصرار کرتا ہے تو اسے سکھا دیتے ہیں اور اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تجھے کچھ نظر آیا وہ شخص کہتا ہے کہ ایک نورانی شکل انسان گھوڑے پر جاتا ہوا نظر آیا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ سے جدا ہو گیا اور اب تو جادوگر بن گیا ہے یہ فرشتے قیامت تک اس کنویں میں اسی طرح لٹکے رہیں گے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے زھرہ پر لعنت فرمائی تھی کہ اس نے ھاروت و ماروت کو فتنہ میں ڈالا۔

ایک روایت کچھ یوں ہے کہ ایک رات دوران سفر ابن عمرؓ نے اپنے شاگرد نافع سے پوچھا کہ کیا زھرہ تارا نکلا ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں دو تین دفعہ سوال کے بعد انہوں نے کہا کہ اب نکلا ہے۔ اس پر ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نہ اسے خوشی ہو اور نہ ہی اسے بھلائی ملے۔ نافع نے عرض کیا حضرت یہ ایک ستارہ ہے کہ جو کہ حکم خداوندی سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپ اسے برا کیوں کہتے ہیں جس پر ابن عمرؓ نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے پھر اس کے بعد انہوں نے سابقہ تفصیل سنائی۔

فرمودات مفسرین کرام

ان لغو روایات کے سننے کے بعد ان کے بارے میں علمائے کرام کے فیصلے سنیئے۔

ابن کثیر

واقرب ما یکون فی ھذا انہ من روایۃ عبداللہ بن عمر عن کعب الاحبار لا عن النبی ﷺ فدار الحدیث ورجع الی نقل

یعنی اس سلسلہ کی مرفوع حدیث میں اقرب یہ ہے کہ وہ ابن عمر نے کعب احبار سے ایک اسرائیلی قصہ نقل کیا ہے حضور کی جانب اس کی نسبت صحیح نہیں خلاصہ یہ کہ مذکورہ روایت کعب احبار

کعب الاحبار عن کتب بنی اسرائیل کی ہے جوانہوں نے کتب بنی اسرائیل سے نقل کی ہے
۱۴۸۰ ج۔

ان تمام روایات کونقل کرنے کے بعد ان پر تنقید کرتے ہوئے دو صفحے بعد ابن کثیر نے جو محاکمہ کیا ہے اور فیصلہ دیا ہے وہ بھی سینے **وھوا ھذا** الغرض ھاروت وماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بہت سے لوگوں نے بیان کیا مثلاً مجاہد ,سدی ,حسن بصری ,قتادہ ,ابولعالیہ ,زھری ,ربیع بن انس ,مقاتل بن حبان وغیرہ اور متقدمین ومتاخرین میں سے بہت سے مفسرین نے بھی ان قصوں کو اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے لیکن حقیقت یہ کہ کہ اس کی تمام تفصیلات اسرائیلی کہانیوں سے لی گئی ہیں ! نبی صادق ومصدوق سے جن کی شان ہے **ما ینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحی** ہے اس بارہ میں کوئی صحیح روایت ذخیرہ حدیث کے اندر موجود نہیں۔ اور قرآن کا ظاھری سیاق واقعہ کو مجمل رکھتا ہے کوئی تفصیل وتشریخ نہیں کرتا اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ جو کچھ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے بیان کیا ہے وہ حق ہے۔ اور حقیقت کا حال کا علم اللہ تعالی کے پاس ہے

(ابن کثیر صفحہ ۱۵۱/ج۱)

امام زاری

لگے ہاتھوں امام رازی کا تبصرہ بھی سن لیجئے۔

اعلم ان ھذا الروایة فاسدة مردود ة یقین کرلو کہ یہ روایت فاسد مردوداور غیر مقبول ہے کبیر صفحہ ۲۲۰/ج ۲

امام آلوسیؒ

فرماتے ہیں کہ اس روایت کا ایک بڑی علماء کی جماعت نے انکار کیا ہے جن میں قاضی عیاض بھی ہیں۔ بقول قاضی عیاض اس سلسلہ میں مورخین اور مفسرین نے جو کچھ نقل کیا ہے حضور ﷺ سے کچھ بھی منقول نہیں نہ صحیح اور نہ ضعیف اور نہ ہی یہ واقعات عقل میں آنے والے ہیں اور حضور ﷺ سے اور نہ ہی ابن عمرؓ سے زھرہ ستارہ پر لعنت کرنا ثابت ہے۔ روح صفحہ ۱۴۳ / ج ۱

عراقی کا فتوی

شہاب عراقی فرماتے ہیں جو آدمی یہ اعتقاد رکھے کہ ھاروت وماروت دو فرشتے ہیں زھرہ کے ساتھ بدکاری کرنیکی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں وہ کافر ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں ارشاد خداوندی ہے **لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون مایوء مرون** اور زھرہ ستارہ آسمان وزمین کی تخلیق کے وقت سے موجود ہے یہ کہنا کہ یہ ایک عورت تھی پھر ستارہ بن گئی نہ صرف غیر معقول بلکہ غیر مقبول ہے۔ روح ۱۴۱ ۳ / ج ۱

ثناءاللہ مظہریؒ

فرماتے ہیں کہ یہ قصہ اخبار احاد بلکہ روایات ضعیفہ وشاذہ سے ہے اور قرآن کریم اس پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا اور اس قصہ میں روایات تو ایسی بے سروپا ہیں کہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہیں مثلا ربیع بن انس سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے زہرہ کو مسخ کرکے ستارہ بنا دیا تھا اور وہ اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر چڑھ گئی اور ہاروت وماروت باوجود اس بات کہ زھرہ کے معلم تھے

اور ارتکاب معصیت میں اس کے برابر تھے بلکہ بوجہ نشہ زھرہ سے گناہ میں کم تھے لیکن وہ آسمان پر نہ چڑھ سکے۔ شیخ کمال الدین فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے متعلق تمام روایات سرتا پا موضوع ہیں اور اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح یا سقیم روایت مروی نہیں اور فرمایا کہ یہ روایتیں یہود کی گھڑت اور ان کی کتابوں سے ماخوذ ہیں (مظہری ۱۸۷/ج۱)

حق تعالیٰ شانہ ان علمائے ربانین کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ان روایات کی بابت جو من گھڑت اور اسرائیلی خرافات ہونے کا فیصلہ دیا ہے سو فیصد درست ہے اور ہر مسلمان پر ان اسرائیلی خرافات سے بچنا از حد ضروری ہے خواہ یہ اسرائیلیات کتب تفسیر میں ہوں یا کہ کتب حدیث و تاریخ و مواعظ میں ہوں **اللّٰھمّ وفقنا لما تحب وترضی**

4۔مسخ شدہ مخلوقات کے بارہ میں ایک اسرائیلی روایت

واقعہ ہاروت و ماروت کے ضمن میں ایک اور اسرائیلی روایت سنیے جسے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگر بات کعب احبار وغیرہ یا بعض صحابہ و تابعین تک محدود رہتی تو معاملہ آسان تھا کہ کہہ دیا جاتا کہ اہل کتاب سے نقل کر کے بیان کر دیا گیا ہے لیکن ظلم عظیم یہ ہے کہ اسے نبی معصوم سے مرفوع حدیث بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جو کہ وضع کا انتہائی خبیث رنگ ہے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے وہ روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ سے مسخ شدہ مخلوقات کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ تیرہ ہیں۔فیل (ہاتھی) دب (ریچھ) خنزیر۔قرد (بندر) جریث (ایک مچھلی) ضب (گوہ) وطواط (چمگادڑ) عقرب (بچھو) دعموص (پانی کا سیاہ کیڑا) عنکبوت (مکڑی) ارنب (خرگوش) سھیل (ایک ستارہ) زھرہ (ایک ستارہ) آپ سے ان کے مسخ ہونے کی تفصیل پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاتھی حقیقت میں ایک ظالم اور لوطی قسم کا آدمی تھا ہر قسم کی برائی کا ارتکاب کرتا تھا جس پر ہاتھی بنا دیا گیا۔

اور دب ایک عورت تھی جو کہ لوگوں کو برائی کی دعوت دیتی تھی جس پر ریچھ بنا دی گئی اور خنزیر حقیقت میں ان عیسائیوں میں سے تھا جنہوں نے عیسی علیہ السلام سے دسترخوان کا مطالبہ کیا تھا۔ جب دسترخوان اتر گیا تو انکاری ہو گیا۔ اور قردوہ یہودی ہیں جنہوں نے ہفتہ کے دن شکار کا ارتکاب کر کے نافرمانی کی تھی جس پر بندر بنا دیئے گئے۔

اور جریث حقیقت میں ایک بے غیرت مرد تھا جو کہ لوگوں کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ اور ضب تو یہ ایک دیہاتی آدمی تھا اور حاجیوں کی چوری کرتا تھا۔ اور وطواط ایک چور تھا جو کہ کھجوروں کا پھل توڑ لیتا تھا۔ اور عقرب ایک ایسا موذی آدمی تھا کہ کوئی بھی اسکی زبان سے محفوظ نہ تھا اور دعموص ایک چغل خور تھا دوستوں کے درمیان نفرتیں ڈالنا اس کا محبوب

مشغلہ تھا اور عنکبوت ایک عورت تھی جس نے اپنے خاوند پر جادو کیا تھا اور ارنب ایک ایسی عورت تھی جو کہ حیض سے پاک نہیں ہوتی تھی اور سہیل یمن میں ایک ٹیکس وصول کرنے والا تھا اور زہرہ کسی بنی اسرائیل بادشاہ کی شہزادی تھی جس کے عشق میں ھاروت وماروت مبتلا ہو گئے تھے۔ درمنثور للسیوطی صفحہ ۱۰۲/ ج ۱

اللہ تعالیٰ کبھی نہ بھلا کرے اس شخص کا جس نے یہ جھوٹ گھڑا اور اس نبی معصوم کی طرف منسوب کر دیا کہ جن کی صفت ہے **ما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی** اسی وجہ سے علامہ ابن جوزیؒ نے پوری وضاحت کے ساتھ اس روایت کے بارہ میں موضوع اور من گھڑت ہونے کا فیصلہ کر کے آپ کے دامن کو اس سے بری قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزمؒ اپنے محلی صفحہ ۱۵۵/ ج ۸ میں فرماتے ہیں۔

کل ماجاء فی المسوخ غیر القردوالخنازیر فباطل وکذب موضوع یعنی بندر اور خنزیز کے علاوہ مسخ شدہ مخلوقات کے بارہ میں جو روایت حضورؐ سے بیان کی جاتی ہے باطل جھوٹ اور من گھڑت ہے۔

مسخ شدہ اقوام کے بارہ میں قطعی فیصلہ

اس سلسلہ میں آخری اور قطعی فیصلہ یہ ہے کہ جو قوم میں عذاب خداوندی کے باعث مسخ کر دی جاتی ہیں وہ زندہ اور باقی نہیں رکھی جاتیں بلکہ تین دن کے اندر اندر انہیں فنا کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کی نسل آگے نہ چل سکے اور دنیا میں ان کا وجود خود ان کے لئے بھی طویل عرصہ تک باعث ننگ وعار نہ رہے دیکھئے روح المعانی صفحہ نمبر ۲۸۳ ج ۱

ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ہم نے پوچھا کہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ یہود کی نسل سے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مسخ کا عذاب مسلط کرتا ہے تو ان کی نسل نہیں چلاتے جبکہ یہ بندر اور خنزیر اس

واقعہ سے بھی پہلے کی مستقل مخلوق ہیں۔ اور جب یہودیوں پر اللہ تعالی کا غضب نازل ہوا تو انہیں بھی سور اور بندر بنا دیا گیا۔

اور ابن کثیرؒ نے صفحہ ۱۱۲/ ج ۱ پر ابن عباسؓ کا وضاحتی بیان نقل کیا ہے مسخ شدہ انسان تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہا۔ اور اس دوران انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا اور نہ ہی ان کی نسل چلی۔ پس جو روایت نہ روایۃً ثابت ہو اور نہ ہی درایۃً بلکہ احادیث صحیحہ کے معارض ہو تو اسے کوئی عقل کا اندھا اور خودغرض ہی مان سکتا ہے۔ **حفظنا الله منها**

۵۔ تعمیر کعبہ اور اسرائیلیات

بنائے کعبہ کے سلسلہ میں اگر قرآن کریم کے مختلف مقامات پر مثلا سورۃ بقرہ۔ آل عمران اور سورۃ حج وغیرہ میں بیان کردہ تفصیلات یا اسی طرح بخاری شریف کتاب الانبیاء میں درج شدہ تفصیلی حدیث میں بیت اللہ شریف کے متعلق جو حقائق بیان کئے گئے ہیں اگر ان پر اکتفاء کرلیا جاتا تو کتنا اچھا ہوتا مگر بعض مفسرین نے اس کے برعکس چند ایسے مورخین جو کہ بجا طور پر حاطب لیل ہیں جن کے ہاں رطب و یابس, مقبول و مردود کی کوئی تفریق نہیں بس جو کچھ مل گیا لکھ دیا جیسے مورخ ازرقی وغیرہ۔ سے بنائے کعبہ اور حجر اسود کے متعلق ایسی تفصیلات نقل کی ہیں جن کے ذکر سے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مکمل طور پر خاموش ہیں بلکہ ان کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور ان کی بیان کردہ روایات انتہائی تضاد کا شکار ہیں۔ کاش کہ مفسرین اس سلسلہ میں اسلامی ذخیرہ میں بیان کردہ ٹھوس حقائق پر اکتفاء کرتے جس سے خود بھی راحت پاتے ہیں۔ اور امت کو بھی راحت پہنچاتے اب اس سلسلے کی بعض بے سروپا روایات سنیئے۔

اس سلسلہ کی ایک روایت وہ ہے جو کہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔

ا۔ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا تو اس وقت اللہ تعالی نے فرمایا کہ اے آدم میں تیرے ساتھ ایک مکان بھی اتار رہا ہوں میرے عرش کی طرح اس کے اردگرد بھی طواف کیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔ طوفان نوح کے زمانہ میں وہ مکان بھی اٹھالیا گیا اس کے بعد انبیاء اس کا حج تو کرتے تھے لیکن انہیں اسکے مقام کا پتہ نہیں تھا (جب جگہ کا پتہ نہیں تھا تو حج کیسے کرتے تھے)۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ بتائی جس پر حضرت ابراہیم نے حرا, ثبیر, لبنان, طور اور جبل خمران مختلف پانچ پہاڑوں سے پتھر لیکر بیت اللہ کی تعمیر کی۔

۳۔ اس سلسلہ کی ایک اور روایت جو کہ پہلی سے بھی عجیب تر ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا تو ان کا قد اتنا لمبا تھا کہ پاؤں زمین میں تھے اور سر آسمان کو چھوتا تھا حضرت آدم فرشتوں کا کلام سنتے انکی دعائیں سنتے اور خوش رہتے لیکن فرشتے حضرت آدم کو اس حالت میں دیکھ کر خوفزدہ ہو کر دعائیں کرنے لگے جس پر حضرت آدم کو مکہ کی طرف متوجہ کر دیا گیا۔ جہاں جہاں ان کا قدم پڑتا تھا وہاں بستی آباد ہوئی اور درمیانہ حصہ بیابان رہ گیا۔ جب مکہ پہنچے تو اللہ تعالی نے جنت سے ایک یاقوت اتار کر بیت اللہ شریف کی جگہ پر رکھوادیا حضرت آدم اسکا طواف کرنے لگے طوفان نوح کے وقت یاقوت اٹھا لیا گیا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم مبعوث ہوئے اور انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی

(تفسیر ابن جریر ۴۲۸ ج ۱)

جبکہ ایک روایت میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا۔

قارئین کرام اگر آپ اس روایت پر تھوڑا سا بھی غور کریں گے تو آپ کو اس روایت کے موضوع ہونے کی نشانیاں چمکتی ہوئی نظر آئیں گی مثلا آدم علیہ السلام کا بے ڈھبہ قد ہونا۔ فرشتوں کا ان سے ڈرنا۔ قدم کی جگہ پر بستی کا آباد ہونا۔ جنت سے یاقوت موتی کا اترنا اور زمانہ طوفان تک اسکا رہنا حالانکہ بعض دوسری روایت سے ثابت ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی پھر آدم نے پھر نوح نے پھر ابراہیم علیہ السلام نے اگر یاقوت والی بات درست ہو تو پھر اس کا انکار کرنا پڑے گا۔

۴۔ اس سلسلہ کی ایک اور روایت سنیے جو کہ سابقہ روایت کے بالکل متضاد ہے عبداللہ بن عمرو بن العاص مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جبرئیل کو آدم وحوا کی طرف بھیجا اور انہیں تعمیر کعبہ کا حکم دیا جس پر آدم نے بیت اللہ کی تعمیر کی اس کے بعد طواف کیا جس پر حضرت آدم سے کہا گیا **انت اول الناس و هذا اول بيت وضع للناس** ۔ ابن کثیر صفحہ ۴۱۱/ ج ۱

ادنی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی اس روایت کا سابقہ روایت سے متضاد ہونا بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ مزید براں اس روایت کے بارے میں امام ابن کثیر کا فیصلہ سنیے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کیجیئے وہ فرماتے ہیں کہ ایک تو اس کا راوی ابن لهيعه یہ روایت بیان کرنے میں منفرد ہے اور ہے بھی ضعیف۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ روایت مرفوع حدیث نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرو کا اپنا قول ہے اور یرموک والے دن انہیں اہل کتاب کی کتابوں کے جو دو بورے ملے تھے یہ روایت ان ہی سے لی گئی ہے۔

ابن کثیر صفحہ ۱۴۱/ ج ا

ابن کثیر نے ان روایات کے علاوہ اور بھی چند روایات اس سلسلہ میں کعب احبار اور سدی کے حوالہ سے نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کعبہ کی تعمیر کرتے ہوئے جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچے تو بیٹے اسماعیلؑ سے کہا کہ کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ کر لاؤ جب وہ پتھر ڈھونڈ کر لائے تو دیکھا کہ ابا جان پہلے ایک پتھر وہاں لگا چکے ہیں۔ پوچھا یہ پتھر کہاں سے آیا ہے حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ اللہ کے حکم پر حضرت جبرئیل آسمان سے لائے ہیں اور سدی کی روایت میں ہے کہ حجر اسود حضرت جبرئیل ہند سے لائے تھے اسوقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا جو آدم کے ساتھ جنت سے اترا تھا پھر لوگوں کے خطا کار ہاتھوں سے یا حیض والی عورتوں کے چھونے سے اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیم کو بیت اللہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے حکم سے اس کا گھر تعمیر کر رہے ہیں پوچھا کیا دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ بھیڑیے اس کی گواہی دیں گے جس پر پانچ بھڑیوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ دونوں خدا کے مامور ہیں جسپر ذوالقرنین خوش ہو گئے اور کہا کہ میں نے مان لیا

ازرقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے ابراہیم واسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کا طواف کیا ابن کثیر ۱۹۲/ ج ۱

اسی طرح علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ کعبہ کے متعلق بہت سی باتیں مشہور ہوگئی ہیں مثلا یہ کعبہ زمانہ آدم میں آسمان سے نازل ہوا اس کے دو دروازے تھے ایک مشرق اور دوسرا مغرب کی طرف ۔ حضرت آدم ہندوستان سے جب بیت اللہ کا حج کرنے کیلئے آئے تو چالیس فرسخ سے فرشتوں نے انکا استقبال کیا پھر انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اس کے اندر داخل ہوئے پھر طوفان نوح میں آسمان کی طرف اٹھالیا گیا ۔ پھر زمانہ ابراہیم میں دوبارہ اتارا گیا ۔ حضرت ابراہیم نے اس کی دیواریں بلند کیں اور اس کا دروازہ ایک کردیا اور جبل ابوقبیس کے پھٹنے سے اس سے حجر اسود نکلا اور بعض روایات میں ہے کہ طوفان نوح کے وقت حضرت جبرائیل نے ہی حجر اسود کو اس پہاڑ میں چھپا دیا تھا ۔ پھر بوقت تعمیر کعبہ وہاں سے نکال کر ابراہیم علیہ السلام کو دے دیا ۔ یہ حجر اسود جنتی سفید یاقوت تھا حیض والی عورتوں کے چھونے سے کالا ہوگیا ۔

خاتم المفسرین علامہ آلوسی ایسی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مورخین نے بیت اللہ کی حقیقت اور اس کے حادث وقدیم ہونے اور یہ کہ اس کے دروازے کس چیز کے تھے حضرت آدم نے کتنی دفعہ حج بیت اللہ کیا ہے اور حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کس چیز سے بنایا تھا ۔ ان کا معاون کون تھا اور حجر اسود کہاں سے آیا اس سلسلہ میں جنتی تفصیلات ذکر کی ہیں ۔ نہ قرآن سے ثابت ہیں نہ کسی صحیح حدیث سے بلکہ یہ روایات ایک دوسرے کے معارض ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مورخین نے صحت وسقم کا لحاظ کئے بغیر جو کچھ مل گیا درج کردیا

(روح المعانی صفحہ ۳۸۴/۱)

اسی طرح علامہ ابن کثیر ایک اور مقامات پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کعبہ کے بانی اول کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اس بارے میں متعدد روایات ہیں

روایت اولی فرشتے ہیں لیکن یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

روایت ثانیہ۔ آدم نے سب سے پہلے تعمیر کیا لیکن یہ روایت بھی سنداً غریب ہے۔

روایت ثالثہ جو کہ کعب احبار وہب بن منبہ اور قتادہ سے مروی ہے کہ اول بانی کعبہ شیث علیہ السلام ہیں۔

فیصلہ ابن کثیر

یہ سب باتیں اہل کتاب کی ہیں جن کی نہ تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ کی تکذیب اور نہ ہی ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث مل جائے تو علی الراس والعین (ابن کثیر صفحہ ۱۸۴ / ج ۱)

بنائے کعبہ کے بارے میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان اسرائیلی خرافات میں پڑنے کے بجائے قرآن و حدیث میں بیان شدہ حقائق پر یقین رکھنا بالکل کافی و وافی ہے۔ **فیها کفایة لمن له درایة**

٦۔ وقال لهم نبيهم ان آية ملكه الآية

جن تفسیری مقامات میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے ان میں ایک قصہ طالوت بھی ہے کہ تابوت کس چیز کا بنا ہوا تھا۔ سائز کیا تھا کیسے آیا اسمیں کیا کیا تھا۔ سکینہ کیا چیز ہے۔ **وغیر ذلك** اس سلسلہ میں سب سے پہلے اسرائیلی و تاریخی روایات ذکر کی جاتی ہیں اور اس کے بعد آیت کریمہ کی صحیح تفسیر درج کی جائے گی۔ چنانچہ تابوت کے بارے میں منقول ہے کہ وہ شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا تھا اس کا سائز ۶x۴ تھا سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پھر حضرت شیثؑ کے پاس اس کے بعد ان کی اولاد میں وراثۃً منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ابراہیمؑ کے پاس پہنچا پھر ان سے اسماعیل اور پھر یعقوب علیہما السلام کو ملا پھر بنی اسرائیل میں چلتے چلتے موسی علیہ السلام تک پہنچا۔ حضرت موسی علیہ السلام اسمیں توراۃ اور اپنا دیگر سامان وغیرہ رکھتے تھے۔ پھر ان کے بعد یہ تابوت انبیائے بنی اسرائیل میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہوئے شموئیل پیغمبر تک پہنچا جب بنی اسرائیل ان کے مخالف و نافرمان ہو گئے تو قوم عمالقہ یہ تابوت بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئی اور

بقول صاحب جلالین اس تابوت میں انبیاء کی تصویریں الواح توراۃ کے ٹکڑے آلِ موسیٰ وھارون کے بقایا جات تھے۔ مذکورہ تفصیل گو صدق وکذب دونوں احتمال رکھتی ہے لیکن آیت کی تفسیر اس پر موقوف نہیں۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ تابوت بنی اسرائیل ہی میں تھا جس میں موسیٰ علیہ السلام توراۃ محفوظ کرتے تھے حضرت آدم کے زمانے سے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔

بظاہر یہ قول اقرب الی الصواب ہے علامہ آلوسی بھی اس قول کی تائید کرتے ہوئے اسے اقرب الاقوال کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی صحیح مرفوع حدیث نہیں ملی جو کہ اس تابوت وصندوق کا تالا کھول سکے۔

(روح المعانی صفحہ ۱۶۸/ ج ۳)

اس طرح سکینہ کی تفسیر کے بارے میں عجیب وغریب روایات نقل کی گئی ہیں سنیے اور مورخین کو داد دیجئے۔

۱۔ وہ ایک سونے کی پلیٹ تھی جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے اب یہ پلیٹ موسیٰ علیہ السلام کو عطا کر دی گی۔

۲۔ وہ ایک تیز رفتار ہوا تھی جس کے دو سر تھے اور انسانی چہرے کیطرح ایک چہرہ تھا (نا معلوم ہوا کے کیسے دو سر تھے اور کیسے انسانی چہرے کی طرح چہرہ تھا)

۳۔ سکینہ بلی کیطرح ایک جانور تھا جس کے دو پر تھے اور ایک دنب تھی اور اس کی آنکھوں سے شعاعیں نکلتی تھیں۔ جب کسی لشکر کی طرف نظر اٹھاتی تھی تو اسے شکست ہو جاتی تھی۔

۴۔ وہب بن منبہ عالم کتب نبی اسرائیل کہتے ہیں کہ سکینہ ایک مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں مدد کا یقین ہو جاتا تھا۔

۵۔ انہیں وہب سے منقول ہے کہ سکینہ ایک اللہ کی روح تھی جب بنی اسرائیل میں کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تو یہ روح بول کر ان کا

اختلاف ختم کر دیتی تھی۔

۶۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سکینہ بمعنی سکون ہے کہ لوگ تابوت میں موجود آثار انبیاء سے سکون انس اور تقویت حاصل کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو قرآن سے ان اقوال کی تائید ہوتی ہے اور نہ ہی نبی علیہ السلام کے کسی فرمان سے بلکہ وہب بن منبہ اور کعب احبار نے انہیں کتب بنی اسرائیل سے نقل کیا ہے اور مفسرین نے بے دھڑک اپنی کتب میں جگہ دے دی اس طرح یہ ہماری کتب تفسیر کا حصہ بن گئے۔

سکینہ کی صحیح تفسیر

اقوال مذکورہ کے علی الرغم سکینہ کی سادہ سی صحیح تفسیر یہ ہے کہ سکینہ بمعنی اطمینان قلب ہے کہ جب دوران جہاد یہ تابوت لشکر بنی اسرائیل کے سامنے ہوتا تھا تو وہ پورے اطمینان استقامت اور تسلی کے ساتھ جہاد کرتے تھے جس سے ان کو فتح ہوتی تھی اس معنی کی تائید قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً سورۃ توبہ میں ارشاد ہے **فانزل الله سكينة عليه** اسکی تفسیر میں علامہ عثمانی مرحوم رقم طراز ہیں حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان حضور کے قلب مبارک پر نازل فرمائی اور سکینہ بمعنی اطمینان سورۃ الفتح کے اندر بھی وارد ہے۔

لھذا بقاعدہ **القرآن يفسر بعضه بعضا** ۔ یہاں بھی یہی معنی راجح ہونا چاہیے۔

تحملہ الملائکۃ

تابوت آیا کیسے ؟

اس سلسلہ میں بھی ایسے متعارض اقوال منقول ہیں جو خود ایک دوسرے کو رد کرتے ہیں حقیقت میں ان اقوال کا ماخذ بھی کتب بنی اسرائیل ہیں مثلا ایک قول یہ ہے کہ کفار جب یہود پر غالب ہوئے تو ان سے تابوت سکینہ چھین لیا اور اپنے ساتھ اریحا شہر لے گئے اور بت خانے میں لے جا کر بڑے بت کے نیچے رکھ دیا جب اللہ تعالی نے یہ تابوت بنی اسرائیل کو واپس کرنے کا فیصلہ کرلیا تو ایک عجیب وغریب معاملہ پیش آیا، کہ جب وہ صبح بت خانہ گئے تو دیکھا بت نیچے اور تابوت اوپر ہے جس پر انہوں نے پھر بت کو تابوت کے اوپر رکھ دیا لیکن جب صبح کو گئے تو دیکھا کہ بت اس تابوت سے دور ٹوٹا پڑا ہے۔ جس پر وہ سمجھ گئے کہ اس میں کوئی خدائی ہاتھ ہے جسکا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے ایک قول کے مطابق انہوں نے وہ تابوت اٹھا کر ایک چھوٹی بستی میں رکھ دیا جس کی وجہ سے بستی کے باشندوں کی گردنوں پر ایک وبائی گلٹی نکل آئی اور دوسرے قول کے مطابق انہوں نے وہ تابوت اٹھا کر اپنے پیشاب کرنے کی جگہ پر پھینک دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو بھی وہاں پیشاب کرتا تھا اسے ناسور یا بواسیر ہو جاتی تھی جس پر لوگ پریشان ہو گئے یہ صورت حال دیکھ کر ایک بنی اسرائیل کی عورت جو ان کے ہاں قید تھی کہنے لگی کہ اگر اس مصیبت سے نجات چاہتے ہو تو تابوت واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچا دو چنانچہ تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھا گیا اور آگے دو بیل جوت کر انہیں ہنکا دیا گیا اللہ تعالی نے چار فرشتے بیل گاڑی کے ساتھ لگا دیئے جو کہ اسے علاقہ بنی اسرائیل میں لے آئے وہاں پہنچ کر بیل اپنی رسیاں تڑوا کر بھاگ گئے اور تابوت بنی اسرائیل نے اپنے قبضہ میں لے لیا اور باری تعالی کی حمد وثناء کی۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی مرحوم نے بھی قصص القرآن صفحہ ۴۳/ ۲ توراۃ کے حوالہ سے اس سے ملتی جلتی ایک داستان لکھی ہے جو کہ وہیں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اور دوسرا قول جو اس کے بالکل متعارض ہے حسن بصری سے منقول

ہے کہ وہ تابوت آسمان پر فرشتوں کے پاس تھا جب طالوت بادشاہ بنائے گئے تو بنی اسرائیل کا تردد و شک دور کرنے کیلئے فرشتوں نے وہ تابوت اٹھا کر طالوت کے سامنے رکھ دیا جس پر ان کا شک جاتا رہا۔

اور تیسرا قول جوان دونوں کے خلاف ہے قتادہ کا ہے کہ وہ تابوت میدان تیہہ میں تھا جسے موسیٰ علیہ السلام یوشع بن نون کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ جسے فرشتوں نے وہاں سے اٹھا کر طالوت کے گھر پہنچا دیا جس پر لوگ ان کی حکومت کے قائل ہو گئے اس کے علاوہ اور بھی چند اقوال ہیں جنہیں بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ محض محرف شدہ اسرائیلی روایات ہیں **واللہ اعلم بحقیقتھا**

فیصلہ کن بات

اس سلسلہ میں سب سے بہتر قول جس کی قرآنی الفاظ تحملہ الملائکہ سے بھی تائید ہوتی ہے مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ تابوت صندوق التوراۃ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ جب بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی پر دلیل مانگی تو بحکم الٰہی اسے فرشتے اٹھا کر لے آئے اور بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس رکھ گئے۔ جس پر انہیں اسکی بادشاہی کا اقرار کرنا پڑا۔

یہ قول اقرب الی الصواب ہے روح المعانی صفحہ ۱۱۸/ ۳

تابوت میں تھا کیا؟

آل موسیٰ و آل ہارون کے کونسے آثار و بقیہ جات تابوت میں محفوظ تھے ان کی تعیین میں بھی خاصا اختلاف ہے اور متعدد اقوال ہیں۔ اول عصائے موسیٰ، الواح توراۃ کے ٹکڑے قالہ ابن عباس ثانی عصائے موسیٰ و ہارون تورات کی دو تختیاں من کی ایک ٹوکری **قالہ ابوصالح**
ثالث اشیاء مذکورہ کے علاوہ موسیٰ کے نعلین عمامہ ہارون ثیاب موسیٰ و ہارون **واصدق فیھا ماقال بعض العلماء وھی من الاخبار التی تحتمل الصدق والکذب فلا نصدقھا و لا نکذبھا۔**

ہمارے لئے

اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں جو بات ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہم یقین رکھیں کہ بنی اسرائیل میں ایک تابوت تھا جس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے کچھ آثار تھے اور یہ تابوت خصوصاً بوقت جہاد بنی اسرائیل کے لئے اطمینان وسکون کا باعث ہوتا تھا۔ کسی وجہ سے بنی اسرائیل اس تابوت سے محروم ہو گئے تھے جب وقت کے پیغمبر نے ان کے مطالبے پر طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کیا تو حیل و حجت کرنے لگے جس پر وقت کے نبی نے فرمایا کہ طالوت کے حق ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس فرشتے گم شدہ تابوت پہنچا دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا جس پر طالوت کی بادشاہی مان لی گئی علاوہ ازیں کہ تابوت کی شکل کیا تھی۔ کہاں سے آیا اسمیں کیا تھا۔ کیسے آیا یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ قرآن کریم بھی ان سے ساکت ہے اور نبی معصوم سے بھی اس سلسلہ میں کوئی چیز منقول نہیں **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال**

۷ وقتل داؤد جالوت وآتاہ اللہ الملک الایہ البقرہ

اس آیت کریمہ سے اتنی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت داؤدؑ نے جالوت کو جہنم رسید کردیا جس پر اللہ تعالی نے داؤد کو حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور جو مناسب جانا وہ سب کچھ سکھایا بات صرف اتنی سی تھی لیکن ہمارے بعض مفسرین نے اسرائیلی روایات اور سدی کی حکایات جمع کر کے بات کا بتنگڑ بنا دیا اور بلا ردّ وقدح اپنی کتب میں ان روایات کو جگہ دینے والوں کو اس جرات پر داد دیجئے۔

خلاصہ ان روایات وحکایات کا یہ ہے کہ جب طالوت اپنا لشکر لیکر جالوت کے مقابلے کیلئے نکلے تو حضرت داؤد کے والد ایشا بھی اپنے تیرہ بیٹوں کے ساتھ نکلے داؤد سب سے چھوٹے تھے لیکن نشانے کے بڑے ماہر تھے اپنی اس مہارت کا ذکر انہوں نے اپنا ابا کے سامنے کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں پہاڑوں میں گیا تو وہاں ایک شیر تھا جسے میں نے بے خوف وخطرہ کان سے پکڑ لیا اور جب میں نے تسبیح کی تو سارے پہاڑ میرے ساتھ تسبیح کرنے لگ گئے باپ نے جوابا کہا بیٹا خداوند تعالی تجھے عظیم بھلائی عطا کریگا۔

جب لشکر آمنے سامنے آئے تو جالوت نے طالوت کے پاس مبارزت کا پیغام بھیجا کہ خود آیا کسی کو بھیج۔ اگر تم نے مجھے قتل کردیا تو میرا ملک تمہارا ہے اگر میں نے مقابل کو قتل کردیا تو تمہارا ملک میرا ہو جائے گا۔ اس چیلنج سے طالوت گھبرا گئے اور اپنے لشکر میں اعلان کروادیا کہ جو جالوت کو قتل کریگا۔ میں نہ صرف اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کروں گا بلکہ آدھا ملک بھی دے دونگا سب لوگ جالوت سے اتنے خوفزدہ تھے کہ کوئی بھی اتنے بڑے انعام کے باوجود اس چیلنج کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوا طالوت نے وقت کے نبی سے دعا کی درخواست کی۔ جسپر نبی نے دعا کی۔

جوابا ایک بوتل ظاہر ہوئی جس میں کچھ تیل تھا اور ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ جس آدمی کے سر پر یہ بوتل رکھی جائے اور اس بوتل میں موجود تیل ابل کر اس کے سر

پر گرے اور تاج بن جائے تو وہ آدمی جالوت کا قاتل ہوگا طالوت باری باری بنی اسرائیل کو بلاتے رہے اور بوتلی تجربہ کرتے رہے۔ لیکن مطلوبہ آدمی نہ مل سکا جس پر وقت کے پیغمبر پر وحی آئی کہ ایشا کے بیٹوں میں سے ایک اسے قتل کرے گا چنانچہ طالوت نے ایشا کو بلا کر کہا کہ اپنے بیٹے میرے سامنے پیش کرو جس پر بارہ بیٹے پیش کئے گئے جو کہ ستون کی طرح لمبے اور قد آور تھے طالوت نے ان پر بھی سابقہ تجربہ کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی اس کے بعد طالوت نے پھر ایشا سے پوچھا کہ کیا آپ کا کوئی اور بیٹا بھی ہے ایشیا نے جواب نفی میں دیا جس پر وقت کے پیغمبر نے بارگاہ خداوندی میں معاملہ عرض کیا جواب ملا ایشا جھوٹ بولتا ہے جب ایشا سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا ایک چھوٹا بیٹا ہے جس کا نام داؤد ہے اسکے پست قد اور حقیر ہونے کی وجہ سے اسے لوگوں کے سامنے لانے سے مجھے شرمندگی ہوتی ہے اس لئے میں اسے فلاں وادی میں بکریاں چرانے کیلئے چھوڑ آیا ہوں۔

(بقول راوی کہ) داؤد ٹھگنے مستقل بیمار زرد رنگ لاغر جسم اور کم بالوں والے تھے طالوت نے انہیں بلایا یہاں بعض راوی کہتے ہیں کہ خود داؤد حالات کا جائزہ لینے کیلئے لشکر کی طرف چل نکلے لیکن درمیانی ندی کو سیلابی پانی سے بھر ہوا پایا داؤد دو دو بکریاں اٹھالاتے اور انہیں ندی عبور کرواتے۔

جب طالوت نے یہ منظر دیکھا تو انہیں یقین ہوگیا کہ یہ وہی مطلوبہ شخصیت ہے کیونکہ جو آدمی جانوروں پر اتنا رحیم ہے تو انسانوں کے ساتھ رحم و کرم کا کیا حال ہوگا۔ جب طالوت نے ان کے سر پر وہ بوتل رکھی تو وہ تیل ابل کر انکے سر پر گرا اور تاج بن گیا طالوت کہنے لگے کیا تو جالوت کو قتل کرے گا۔ اگر تو یہ کام کردے تو میں اپنی بیٹی کا نکاح بھی تیرے ساتھ کردوں گا اور ملک بھی تیرے حوالے کردیا جائے گا داؤد نے قتل کی حامی بھر لی اور اپنی بھرپور صلاحیت کا تذکرہ بھی کیا۔

اس کے بعد طالوت نے داؤد کو ساتھ لیا اور لشکر میں لے آیا اور راستہ میں جب ایک پتھر کے پاس سے گذر رہے تھے تو اس نے کہا کہ اے داؤد مجھے اٹھالو میں وہ پتھر ہوں کہ جس کے ساتھ ہارون نے فلاں بادشاہ کو قتل کیا تھا پھر دوسرے پتھر کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا کہ مجھے بھی اٹھالو میرے ساتھ حضرت موسی نے فلاں بادشاہ کو قتل کیا تھا تیسرے پتھر نے کہا کہ مجھے بھی اٹھالو کیونکہ تو میرے ساتھ جالوت کو قتل کرے گا۔ چنانچہ داؤد نے تینوں پتھر اٹھا کر تھیلے میں رکھ لئے

پھر جب صف بندی ہوئی اور جالوت نے سامنے نکل کر مبارزت کی تو داؤدؑ سامنے آ گئے طالوت نے انہیں گھوڑا بھی دیا زرع بھی اور اسلحہ بھی داؤد نے زرع پہنی اسلحہ لگایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تھوڑی ہی دیر چلے تھے کہ یہ سب چیزیں اپنے آپ سے جدا کر دیں اور کہا کہ اگر نصرت خداوندی شامل حال نہ ہو تو یہ اسلحہ بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتا لہذا مجھے اپنی چاہت کے مطابق جالوت سے لڑنے دو طالوت نے کہا فافعل ماشئت

پس داؤد نے اپنا پتھروں والا تھیلا گلے میں لٹکایا اور گوپھن (غلیل) ہاتھ میں لی اور جالوت کیطرف چل پڑے۔

جبکہ جالوت بڑا بہادر طاقتور آدمی تھا اکیلا پورے لشکر کو شکست دے دیتا تھا تیاری کی حالت یہ تھی کہ صرف اس کے سر پر جولوہے کا حفاظتی خود تھا اسکا وزن تین سو رطل تھا جو کہ تقریبا ڈیڑھ من لوہا بنتا ہے۔ جب اسنے داؤد کو دیکھا تو قدرتی طور پر مرعوب ہو گیا۔ ابتدائی سوال و جواب کے بعد داؤدؑ نے تھیلے سے ایک پتھر نکالا اور باسم الہ ابراہیم پڑھ کر غلیل میں رکھ لیا پھر دوسرا پتھر باسم الہ اسحاق پڑھ کر رکھا اور تیسرا باسم الہ یعقوب پڑھ کر رکھا وہ تینوں ملکر ایک پتھر بن گیا۔ جب نشانہ لیکر پتھر پھینکا تو وہ سیدھا جالوت کی ناک سے ہوتا ہوا دماغ تک جا پہنچا اور گدی سے نکل کر اس کے پیچھے بھی تیس آدمیوں کو قتل کر گیا جالوت مردار ہو کر گر گیا اسکے لشکر کو شکست ہوئی داؤد نے جالوت کی لاش کھینچ کر طالوت کے

سامنے ڈال دی جس پر طالوتی لشکر میں جشن منایا گیا اور لوگوں میں داؤد کا خوب چرچہ ہو گیا۔

اسکے بعد داؤد طالوت کے پاس آئے۔ اور وعدہ پورا کرنے کا مطالبہ کیا طالوت نے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر کی رقم ہے داؤد نے کہا کہ قتل جالوت کے علاوہ تو آپ نے کسی مہر کی شرط نہیں لگائی تھی لیکن طالوت نے نکاح کے لئے ایک نئی شرط عائد کر دی کہ دشمنوں کے دو سو آدمی قتل کر کے ان کے ذکر سے گوشت کا وہ ٹکڑا کاٹ کر لے آئے جو بوقت ختنہ کاٹا جاتا ہے (نامعلوم اسکا کیا کرنا تھا) داؤد نے جب یہ شرط پوری کر دی تو طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا اور ملک میں انکی مہر جاری کر دی لوگوں کا داؤد کیطرف رجحان، محبت اور کثرت ذکر دیکھ کر طالوت حسد کی آگ میں جلنے لگے اور انکے قتل کا ارادہ کر لیا۔ زوجہ داؤد نے باپ کے خطرناک عزائم کی اطلاع حضرت داؤد کو دے دی جس پر داؤد محتاط ہو گئے۔ جس رات طالوت نے قتل کا ارادہ کیا ہوا تھا اس رات حضرت داؤد نے اپنے بستر پر شراب کی بھری ایک مشک رکھ دی اور خود فرار ہو گئے طالوت نے آکر جب وار کیا تو مشک پھٹ گئی اور شراب بہنے لگی جس پر طالوت نے کہا کہ داؤد کتنا بڑا شرابی ہے اگلی رات حضرت داؤد طالوت کی خواب گاہ میں گئے اور طالوت کے آگے پیچھے دائیں بائیں دو دو تیر رکھ کر آ گئے۔ جب طالوت نے بیدار ہو کر تیر دیکھے تو کہنے لگے اللہ رحم کرے کہ داؤد مجھ سے بہتر ہے کہ مجھ پر موقعہ پانے کے باوجود مجھے قتل نہیں کیا اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا تو اسے قتل کر دیتا پھر ایک دن طالوت گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کیطرف نکلا تو داؤد کو پیدل چلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا آج انہیں ضرور قتل کرونگا۔ جب داؤد نے طالوت کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو گھبرا کر تیزی سے دوڑتے ہوئے ایک غار میں چھپ گئے ایک مکڑی نے اللہ تعالی کے حکم سے فوراً غار کے دھانے پر جالا تن دیا طالوت جالا صحیح سالم دیکھ کر واپس مڑ گئے جب طالوت کی اس حرکت کا علم علماء و عباد کو ہوا تو انہوں نے طالوت کو لعن طعن کرنا شروع کیا۔ جس پر طالوت نے غصہ میں آ کر

علماء اور دوسرے منع کرنے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جس میں بے شمار لوگ قتل کی بھینٹ چڑھ گئے پھر اچانک طالوت کے دل میں اپنے کیے پر شرمندگی ہوئی اور غمگین رہنے لگا اور کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنے لگ گیا۔ جو اسے توبہ کا طریقہ بتائے یہاں تک کہ کسی نے ایک عورت کے بارے میں بتایا کہ اس کے پاس اسم اعظم ہے چنانچہ اس سے توبہ کا طریقہ پوچھا تو وہ عورت اسے شمویل پیغمبر کی قبر پر لے گئی۔ چنانچہ شمویل پیغمبر قبر سے باہر آئے اور انہوں نے اسے توبہ کا طریقہ بتایا وہ یہ کہ طالوت اپنے بیٹوں سمیت جہاد پر نکل جائے۔ اور جہاد کرتے کرتے سب شہید ہو جائیں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور سب شہید ہو گئے اس کے بعد بنی اسرائیل کے لوگ داؤد کے پاس آئے اور طالوت کے سارے خزانے انہیں دیکر اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔

معزز قارئین یہ ہے وہ وضعی اور اسرائیلی روایت جو اس مقام پر خازن بغوی، شعبی وغیرہ نے ذکر کی ہے قرآن و سنت کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی ضرورت نہیں نہ تو کوئی قرآنی کلمہ اس پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی فہم قرآن اس پہ موقوف ہے بھلا ایک ایسی داستان جسمیں اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ بادشاہ ایک دھوکے باز اور غدار کی شکل میں پیش کیا گیا ہو اور ایک نبی کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کر کے زبردست گستاخی کی گئی ہو تو کونسا غیرتمند مسلمان اسے مان سکتا ہے۔

اللہ رحم کرے امام ابن کثیر پر کہ انہوں نے اپنی مایہ ناز تفسیر میں صفحہ ۳۲۵ ج ا پر صرف ایک جملہ **ذکر وافی الاسرائیلیات** کہہ کر اس اسرائیلی روایت کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔

تحقیق انیق

اس مقام پر اگر زمانہ قریب کے مایہ ناز محقق مولانا حفظ الرحمٰن

...ہاروی کی تحقیق انیق پیش نہ کی جائے تو شاید یہ بحث نامکمل رہے ان کی تحقیق سنیے اور دعاد یجیئے۔

یہ پوری داستان شموئیل کے صحیفہ سے ماخوذ ہے مگر سدی کے حوالہ سے اصحاب سیر نے بھی اس اسرائیلی داستان کو اسلامی روایات کی طرح بیان کیا ہے حتیٰ کہ حضرت داؤد کی جو منقبت سورۃ بقرہ کی اس آیت میں مذکور ہے اس داستان کو اسکی تفسیر میں بیان کر دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں کہ گزشتہ دور میں اسرائیلیات کو نقل کرنے کا اس قدر ذوق کیوں پیدا ہوگیا تھا کہ یہود نے جن داستانوں کو اپنی گمراہی اور غلط روی کی تائید کے لئے گھڑا تھا ان کو بھی اسلامیات میں شامل کرنے سے احتیاط نہیں برتی گئی اور تاریخ و سیرت تو کیا تفسیر قرآنی جیسے اہم مقام کو بھی ان خرافات سے محفوظ نہ رہنے دیا گیا۔ چنانچہ یہاں پر بھی یہی صورت حال پیش آئی ہے۔

قرآن عزیز کی زبانی آپ سن چکے ہیں کہ جب شموئیل نے بنی اسرائیل کے مطالبہ پر طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا تو بنی اسرائیل نے اتباع وانقیاد کا دعوی کرنے کے باوجود اس کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور انحراف کی راہ اختیار کی تھی۔ مگر جب خدائی نشان نے ان کو لاجواب بنا دیا تب مجبور ومقہور ہو کر طالوت کو اپنا اولوالامر تسلیم کیا۔ چنانچہ علماء یہود اس بات کو محسوس کرتے رہے کہ یہ ہماری مجرمانہ عادات وخصائل کے اعداد وشمار میں ایک مزید اضافہ ہے کہ ہم نے خدا کے مامور انسان طالوت کو نااہل بنا کر شروع سے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لہذا کوئی ایسی صورت پیدا کرنی چاہئے کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ طالوت کے بارہ میں ''نااہلیت امارۃ'' کا جو دعوی ہم نے کیا تھا وہ صحیح اور سچا ظاہر ہو جائے اور ہمیں دنیا کے سامنے یہ کہنے کا موقع ملے کہ یہی وہ امور تھے جن کو ہم نے اپنی فطانت وفراست سے پہلے ہی بھانپ لیا تھا اور آخر کار طالوت کی نالائقی اور نااہلیت ثابت ہو کر رہی جرم ہلکا کرنے اور اپنی مجرمانہ خصلت پر پردہ ڈالنے کیلئے یہ وہ اقدام ہے جو سموئیل کی کتاب میں

طالوت اور حضرت داؤد علیہ السلام کی باہمی آویزش سے متعلق داستان میں نظر آرہا ہے۔ مگر وائے افسوس کہ ہمارے بعض ارباب سیر و راویان تفسیر نے بھی اس حقیقت تک پہنچے بغیر اپنی سادگی سے کتب سیر و تفسیر میں اس کو نقل کردیا اور یہ توجہ نہ فرمائی کہ جس ہستی کو قرآن مجید مامور من اللہ قرار دے رہا ہے اور جس کی برکت سے ''تابوت سکینہ،، بنی اسرائیل کو دوبارہ عطا ہو رہا ہے اور جس کو ''زادہ بسطة فی العلم والجسم ،کہہ کر اس کے علم وشجاعت کو پرشوکت الفاظ میں سراہا رہا ہے ہم بغیر کسی دلیل و برھان قویم کے کس طرح ایسے شخص کو قابل نفرت حرکات کا حامل قرار دے کر مورد لعن وطعن بنا سکتے ہیں قرآن عزیز سے یہ قطعا بعید ہے کہ جس ہستی کی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ معاصی میں گذر رہا ہو وحی اس کے مناقب کا ذکر تو کرے اور اس کی زندگی کے دوسرے پہلو کو نمایاں نہ کرے پس جبکہ قرآن عزیز نے طالوت کے ثناو منقبت کے علاوہ ایک لفظ بھی مذمت کا بیان نہیں کیا بلکہ اس کی جانب اشارہ تک موجود نہیں تو ایک مسلمان کے لئے کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ وہ توراۃ کی اس خرافی داستان کو صحیح تسلیم کرے حاشا وکلا

یہی وجہ ہے کہ مشہور محقق ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمادیا **وفی بعض ھذا نظر و نکارۃ** اور اس قصہ کے بعض حصے اوپری داستان اور قابل اعتراض ہیں۔

نیز یہ بھی فرمادیا کہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت نے الیسع نبی کی قبر پر حاضر ہوکر ان کو موت سے جگایا یہ خود اس واقعہ کے غلط ہونے کا ایک عمدہ ثبوت ہے اس لئے کہ اس قسم کے معجزات کا ظہور انبیاء و رسل سے کبھی کبھی ہوتا ہے۔ نہ کہ ایک زاہدہ و عابدہ عورت سے چنانچہ اسی وجہ سے ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کی جانب مطلق توجہ نہیں فرمائی اور بلا شبہ یہ ہرگز توجہ کے قابل نہیں ہے۔

قصص القرآن صفحہ ۵۲ ۔ ج ۲

۸ قالو ایموسی ان فیها قوما جبارین آلایة المائدہ

مقام ہذا میں سیدھی سادھی تفسیر یہ ہے کہ بیت المقدس زمانہ یعقوبؑ میں بنی اسرائیل کے قبضہ میں تھا۔ جب وہ اہل وعیال سمیت مصر چلے گئے تو قوم عمالقہ نے جو کہ ایک مضبوط اعصاب والی ظالم قوم تھی بیت المقدس پر قبضہ جمالیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ترغیب دی کہ ان سے جہاد کرو بحکم خدا تمہیں فتح ہوگی اور بیت المقدس پر تمہارا دوبارہ قبضہ ہو جائے گا لیکن قوم نامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بزدلی کی وجہ سے منہ پھیر بیٹھی اور جہاد سے انکار کر بیٹھی اور گویا ہوئی

فاذهب انت و ربك فقاتلا انا ههنا قاعدون (مائدہ)

اس انکار کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہ میں حیران ,سرگردان ,خانہ بدوشوں کی طرح رہنا پڑا (ابن کثیر صفحہ ۲/۴۳)

لیکن قوم جبارین کے ڈیل ڈول اور قد وقامت کی حیرت انگیز جو منظر کشی بعض داستان گولوگوں نے کی ہے اور بعض ارباب تفسیر نے بلاسوچے سمجھے اپنی کتب کا پیٹ جن مصنوعی داستانوں سے بھرا ہے وہ ایسی خرافات ہیں کہ نہ صرف ان پر عقل وخرد انگشت بدنداں ہے بلکہ وہ عادۃ اللہ اور احادیث صحیحہ میں بیان شدہ حقائق کے بھی خلاف ہے۔

مثلا ایک روایت میں ہے ۔ستر بنی اسرائیل نے عمالقہ قوم کے ایک آدمی کے جوتے میں سایہ حاصل کیا اور ایک دوسری روایت اس سے بھی عجیب ہے کہ اس قوم کے ایک آدمی کی آنکھ میں ایک بجو اپنے بچوں سمیت دیکھا گیا۔ نامعلوم وہ آنکھ تھی یا بجوؤں کا باڑہ

ایک اور تفصیلی کہانی سنیئے اور واضعین کو داد دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدینۃ الجبار میں داخل ہونے کا حکم ملتا ہے حضرت موسیٰ ساتھیوں کو لیکر چل پڑتے ہیں اریحا شہر کے قریب پہنچ کر ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی لیکر بارہ عدد جاسوس حالات کا جائزہ لینے کیلئے مدینہ الجبارین بھیجتے ہیں۔ جب یہ جاسوس جبارین کے شہر میں جاتے ہیں تو ان کے قد وقامت اور قوت کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتے ہیں پھر یہ لوگ شہر کے ایک باغ میں جاتے ہیں اچانک باغ کا مالک بھی پھل توڑنے کیلئے آجاتا ہے۔ اِن کے نشانات قدم ڈھونڈتا ہوا ان تک پہنچ جاتا ہے۔ اور انہیں پھلوں کے ساتھ گٹھڑی میں باندھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ بادشاہ ان سے کہتا ہے کہ اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازاہ ہوگیا ہے میں تمہیں قتل نہیں کرتا واپس جاکر اپنے پیغمبر کے سامنے ہمارے حالات بیان کردو۔ وہ واپس آکر حضرت موسیٰ کو حالات سناتے ہیں جس پر موسیٰ انہیں کہتے ہیں کہ یہ حالات قوم کو نہ بتانا تاکہ قوم کہیں بزدل نہ ہو جائے لیکن وہ فرداً فرداً سب کو بتادیتے ہیں۔ مگر دو آدمی یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا حکم کی پابندی کرتے ہیں انہیں کے بارے میں فرمایا گیا **قال رجلان من الذین یخافون الآیة** اور ابن جریر کی نقل کے مطابق ان کے انگوروں کا گچھا اتنا بڑا ہوتا تھا کہ پانچ آدمی ملکر اسے اٹھاتے تھے اور انار کے حجم کا یہ عالم تھا کہ جب اس کے دانے نکال لئے جاتے تو اس کے چھلکے میں پانچ آدمی سما سکتے تھے۔ **وغیرذلك وهذا کله من الاسرائیلیات الباطله (اعاذنا الله منها)**

عوج بن عوق

ان ظاہر البطلان اسرائیلی واقعات میں سے جنہیں بعض مفسرین نے اس مقام پر بڑے ذوق وشوق سے بیان کیا ہے ایک واقعہ عوج بن عنق ہے بعض روایات میں اس کے باپ کا نام عوق ہے اور بعض میں عنق آیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کا قد تین ہزار گز لمبا تھا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زمین پر کھڑے کھڑے سورج کی حرارت سے مچھلی بھون لیتا تھا اور یہ کہ اس نے سفینہ نوح میں سوار ہونے سے انکار کر دیا تھا اور طوفان نوح اس کے ٹخنوں تک پہنچا تھا اور یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا قد دس گز لمبا تھا اور ان کے ڈنڈے کی لمبائی دس گز تھی لیکن اسکے باوجود موسیٰ نے دس گز اونچا جمپ لگایا تب جا کر ڈنڈا اسکے ٹخنوں پر لگا۔ جس سے اس کی موت واقع ہوئی اور پورا ایک سال اس کا جسم اہل مصر کیلئے دریائے نیل پر پل کا کام دیتا رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسے خرافات اور جھوٹ ہیں جو کہ نہ صرف نقل بلکہ عقل کے بھی خلاف ہیں۔ بلکہ اس عادۃ اللہ کے بھی خلاف ہے جو کہ مخلوق کی پیدائش کے بارہ میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ گز تھا پھر مسلسل مخلوق کا قد کم ہوتا رہا

اس عجیب وغریب تفصیل کا عقل کے خلاف ہونا تو ظاہر ہے اور نقل کے خلاف اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ طوفان نوح کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ **لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم** اب عوج کو بچانے کی یہی ترکیب ہے کہ اس کا قد پہاڑوں سے بلند مانا جائے۔ لیکن جتنا بھی قد لمبا مان لیا جائے جب تک کوئی الا من رحم کی چھتری کے نیچے نہیں آئے گا عذاب الٰہی سے بچنا مشکل ہے اور ابن جریر نے اسی روایت کو ایک اور طرح سے بیان کیا ہے۔ کہ جب موسیٰ نے قوم جبارین کی خبر لینے کیلئے بارہ جاسوس بھیجے تو ان کی ملاقات قوم جبارین کے عوج نامی آدمی سے ہوئی جس نے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رکھا تھا اس نے

ان بارہ کے بارہ کو پکڑ کر اپنے نیفے میں ڈال لیا (نا معلوم اس کی شلوار وقمیض کس سے تیار ہوتی ہوگی) اور اپنی بیوی کے سامنے لاکر ان کو پھینک دیا اور کہنے لگا دیکھو ان کو یہ لوگ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا میں انہیں روند نہ ڈالوں؟ اس کی بیوی کہنے لگی انہیں چھوڑ دے تاکہ تمہاری شان وشوکت اور طاقتور ہونے کا تذکرہ اپنی قوم سے جا کر کریں۔ لیکن حقیقت وہی جو محدث ابن قتیبہ نے بیان کی ہے کہ یہ ان جھوٹے قصوں میں سے ایک ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور تھے پھر اسے کسی بدباطن نے حدیث بنا کر پیش کر دیا (تاویل مختلف الحدیث صفحہ۲۳۲)

فیصلہ ابن کثیر

اب الحافظ الناقد علامہ ابن کثیر کا فیصلہ سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے قوم جبارین کی جسمانی وضع قطع کے بارے میں اسرائیلی وضعی روایات بیان کرتے ہوئے عوج بن عنقا بن بنت آدم کا تذکرہ کیا ہے اور ایسی تفصیلات بیان کی کہ جن کو ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کہ اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس گز لمبا اور اس کی چوڑائی تین گز تھی۔

اس کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں یہ بات صحیحین کہ اس حدیث کے خلاف ہے جسمیں حضرت آدم کے قد کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ داستان گو لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ کافر تھا اور ولد الزنا اور سفینہ نوح میں سوار ہونے سے انکاری ہوگیا تھا اور طوفان نوح اس کے ٹخنوں تک پہنچا تھا امام ابن کثیر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں **هـــذا كـــذب وافتـــرا** کہ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ قرآنی صراحت کے مطابق دعائے نوح تو یہ ہے **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** اور دوسرے مقام پر ہے **فانجیناه ومن معه فی الفلك المشحون ثم اغرقنا بعد الباقین وحال بینهما الموج فکان من المغرقین** تو جب ابن نوح باوجود بیٹا ہونے کے کافر ہونے کی وجہ سے نہ بچ

سکا تو پھر عوج بن عنق جو کہ کافر بھی تھا اور ولد الزنا بھی کیسے بچ سکتا ہے یہ بات عقل اور شرع دونوں کے خلاف ہے بلکہ میرے نزدیک تو اس کا وجود بھی محل نظر ہے۔ (ابن کثیر صفحہ ۴۴/ج ۲)

یاللعجب

ہمیں تعجب اس داستان اور جھوٹ کے گھڑنے والے کی جرات پر نہیں بلکہ ہمیں تعجب ہے ان مصنفین پر کہ جنہوں نے بے دھڑک یہ داستان کتب تفسیر میں درج کردی ہے۔ اور یہ بھی نہ سوچا کہ زنا دقہ اہل کتاب کا اس وضعی داستان کے گھڑنے سے مقصود انبیاء اور ان کے متبعین کے ساتھ استہزاء کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس سے بھی تعجب خیز بات وہ ہے جو کہ بعض کتب میں درج ہے **یقال انه ولد فی زمن آدم فعاش الی زمن موسی بل قالوان موسی هوالذی قتله** کہاں آدم کا زمانہ اور کہاں موسیٰؑ کا زمانہ کیا اتنی لمبی زندگی کسی انسان کی ہوسکتی ہے **الالعن الله الیهود المفترین علی الله الکذب** ۔

۱۰ میدان تیہ اور اسرائیلی روایات

یتیھون فی الارض المائدہ

قرآن کریم سے اتنی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اپنے نبی کی نافرمانی کی وجہ سے چالیس سال تک ایک میدان میں سرگرداں پھرتے رہے۔

لیکن کتب تفسیر میں قصہ تیہ کے بارے میں عجیب وغریب روایات ملتی ہیں۔ مثلاً ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ قوم نے جب موسیٰ کو صاف جواب دے دیا تو موسیٰ نے ان کیلئے بد دعا کی جس پر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا **انها محرمة عليهم اربعين سنة** اور اس وقت بنی اسرائیل میں چھ لاکھ جنگجو تھے لیکن نافرمانی کی وجہ سے فاسق ہو گئے اور چالیس سال تک چھ فرسخ کے میدان میں مارے مارے پھرتے رہے ہر صبح پورے عزم کے ساتھ چلتے کہ آج اس میدان سے نکل جائیں گے لیکن رات کو پھر وہیں ہوتے جب انہوں نے پیغمبر سے بھوک کی شکایت کی تو من وسلوی ملنا شروع ہوگیا سلے سلائے کپڑے مل جاتے پانی مانگا تو حضرت موسیٰ نے ایک سفید رنگ کے پتھر پر عصا مارا تو بارہ چشمے جاری ہو گئے ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے کپڑے نہ پھٹتے تھے اور نہ ہی میلے ہوتے تھے علامہ زمخشری نے بھی ان کی تعداد چھ لاکھ اور ٹھہرنے کی جگہ بارہ میل لکھی ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ پتھر زمینی پتھر نہیں بلکہ جنتی پتھر تھا بعض نے کہا ہے کہ وہ پتھر انسانی سر کی طرح تھا بعض نے کہا ہے کہ بکری کے سر کیطرح تھا کسی نے کہا کہ اسکی لمبائی بارہ گز تھی اسمیں دو سوراخ تھے جو کہ رات کے وقت چمکتے تھے۔

جبکہ قرآن کریم ان کی تعداد کے بارے میں خاموش ہے بلکہ تاریخی شواہد سے ان اعداد وشمار کی تردید ہوتی ہے کیونکہ بخت نصر شاہ فارس جس نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس سے بے دخل کیا تھا۔ جس کے پاس بہت بڑا ملک تھا اس کے باوجود اس کی فوج چھ لاکھ تو کیا اس کے قریب بھی نہیں تھی بلکہ صدیوں بعد جب اہل فارس کی لڑائی مسلمانوں کے ساتھ قادسیہ کے مقام پر ہوئی جس میں

انہوں نے اپنی پوری فوج کو جھونک دیا تھا اس کی زیادہ سے زیادہ فوج ایک۔ لاکھ بیس ہزار تھی۔ لہذا اگر بنی اسرائیل کے پاس اتنی فوج تھی تو پھر چاہیئے یہ تھا کہ ان کو بڑی فتوحات حاصل ہوتیں ان کے پاس ایک وسیع و عریض مملکت ہوتی حالانکہ فلسطین اردن اور خیبر کے سوا ان کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا ایک اور لحاظ سے بھی یہ تعداد محل نظر ہے وہ اس طرح کہ محققین کے مطابق موسیٰ اور اسرائیلؑ (یعقوبؑ) کے درمیان چار آباؤ کا واسطہ ہے وہ اسطرح کہ موسی بن عمران بن یصہر بن قاث بن لاوی بن یعقوب

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۷)

اور جب حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) اپنے گھرانے کے ستر آدمیوں کے ساتھ مصر میں آئے تھے اس وقت سے لیکر موسیٰ خروج مصر تک زمانہ ۲۲۵ سال بنتا ہے اور یہ بات انتہائی بعید ہے کہ ۲۲۵ سال کے قلیل عرصہ میں ۷۰ نفوس سے چھ لاکھ کی تعداد تو جنگوؤں کی ہو جائے جس میں بیس سال سے کم کوئی نہ ہو اور بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی تعداد اس کے علاوہ ہو۔

اسی طرح اگر پتھر کا عجیب وغریب تعارف کرانے کے بجائے قرآنی اسلوب کے مطابق اگر پتھر کو مطلق چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً وہ ایک بہت بڑا اعجاز بھی ہوتا اور قدرت الٰہی کا بہت بڑا مظہر بھی ہوتا۔

۱۱۔ نزول مائدہ اور اسرائیلی روایات

اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء المائدہ آیت نمبر ۱۱۴

حواری عیسیٰ گو راسخ العقیدہ مخلص مومن تھے مگر دنیاوی اعتبار سے غریب اور کمزور تھے ایک دفعہ از راہ سادگی اپنے پیغمبر سے درخواست کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کہ عظیم الشان طاقت اور قدرت کے مالک ہیں یہ طاقت بھی ضرور حاصل ہوگی کہ ہمارے لئے آسمان سے دستر خوان نازل کر دیا کرے تا کہ ہم روزی کی فکر سے آزاد ہو کر پوری دل جمعی کے ساتھ ذکر الہی اور دعوت و تبلیغ میں مصروف رہ سکیں حضرت موسیٰ نے ان کو نصیحت کی مومنوں کیلئے ایسے نازیبا مطالبے درست نہیں لہذا اس سے باز آ جاؤ اس کے جواب میں حواری کہنے لگے کہ معاذ اللہ خدا کو آزمانا مقصود نہیں بلکہ ہمارا مقصد ایک تو یہ ہے کہ روزی کی فکر سے آزاد ہوں نیز ہمیں اطمینان قلب حاصل ہو جائے ان کے اصرار کو دیکھتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ آسمان سے ایک ایسا دستر خوان نازل فرما جو کہ ہمارے اول و آخر کے لئے خوشی کا باعث بن جائے۔ جو کہ تیری خاص نشانی ہو اس کے ذریعے ہمیں رزق عطا فرما وانت خیر الرازقین دعا قبول فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کیطرف وحی نازل فرمائی کہ میں ایسا دستر خوان ضرور نازل کرونگا لیکن یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس کے بعد ان میں سے کسی نے بھی اگر نافرمانی کی تو میں ایسا ہولناک عذاب دونگا جو کہ کائنات میں سے کسی کو بھی نہیں ملا ہوگا۔

مائدہ اترا ھے یا نھیں

اب دیکھنا یہ ھے کہ نزول مائدہ ھوا بھی ھے یا نھیں

اس سلسلہ میں نہ قرآن کریم میں کوئی تفصیل ہے اور نہ ہی کسی مرفوع حدیث میں اس کا ذکر کیا گیا ہے البتہ بعض صحابہ و تابعین سے اس کے بارے میں کچھ تفصیل منقول ہے۔ حسن اور مجاہد کا خیال ہے کہ نزول مائدہ نہیں ہوا کیونکہ جب اس نزول کے بعد انکار کی صورت میں عذاب کی دھمکی سنائی گئی تو وہ نزول مائدہ کے مطالبہ سے دست بردار ہو گئے اور اس کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ نصاری اس مائدہ سے واقف ہی نہیں اور نہ ہی ان کی انجیل میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے اگر یہ اترا ہوتا تو انجیل میں تواتر کے ساتھ اس کا ذکر ہوتا لیکن اسکے برعکس ابن عباس عمار بن یاسرؓ اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اترا تھا کیونکہ رب العزت نے انی منزلھا فرما کر اس کے اتارنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ان اللہ لا یخلف المیعاد ایک اٹل حقیقت ہے لہذا یہی صواب اور درست ہے (ابن کثیر)

مائدہ اور متضاد روایأت

بہت سے دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی کتب تفسیر میں بہت سی متضاد روایات ملتی ہیں جنہوں نے مائدہ کو اپنے شکنجے میں لیا ہوا ہے۔ جن کے بارے میں ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسرائیلیات ہیں اور وہ روایات وہب بن منبہ، کعب احبار، مقاتل، کلبی، عطا اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہیں بلکہ ایک روایت عمار بن یاسرؓ سے مرفوعاً ذکر کی گئی ہے۔ کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ اس دستر خوان میں روٹی، گوشت نازل ہوا اور انہیں کہا گیا کہ نہ تو اسمیں خیانت کریں اور نہ آئندہ کیلئے ذخیرہ کریں ایک اور روایت میں اضافہ ہے کہ چھپائیں بھی نہیں لیکن انہوں نے خیانت کی ذخیرہ کر لیا اور آئندہ کیلئے چھپا کر رکھ لیا جس پر

وہ خنزیر اور بندر بنا دیئے گئے۔ لیکن امام ترمذی مرحوم خود ہی فرماتے ہیں لانعرف للحدیث المرفوع اصلا کہ ہم اس مرفوع حدیث کی کوئی اصل نہیں جانتے (دیکھیئے ترمذی شریف کتاب التفسیر)

اس کے بعد اب کچھ اور روایات پڑھیئے

ابن عباس دسترخوان پر روٹی اور مچھلی ہوتی تھی وہ جب چاہتے اور جہاں جاتے اسی دسترخوان سے کھاتے تھے۔

عکرمہ عن ابن عباس دسترخوان پر مچھلی اور چپاتیاں اترتی تھیں۔

سعید بن جبیر عن ابن عباس اس دسترخوان پر سوائے روٹی گوشت کے سب کچھ ہوتا تھا۔ کعب احبار وہ دسترخوان فرشتے آسمان سے لیکر آئے اسمیں گوشت کے علاوہ تمام کھانے تھے۔ وہب بن منبہ دسترخوان آسمان سے روزانہ بنی اسرائیل کے لئے اترتا تھا۔ اس پر جنتی پھل ہوتے تھے جو چاہتے کھاتے تھے ایک وقت میں چار ہزار آدمی بیٹھ کر کھاتے تھے جب وہ اٹھ جاتے تو اتنا اور نازل ہو جاتا اور جتنا عرصہ اللہ تعالی نے چاہا وہ اترتا رہا۔

وہب ایضا۔ اللہ تعالی نے اس دسترخوان پر جو کی روٹیاں اور مچھلیاں اتاریں اور ان میں بڑی برکت ڈال دی ایک ٹولی آتی کھا کر چلی جاتی پھر دوسری آتی یہاں تک کہ سب کھا چکنے کے بعد بھی بہت کچھ بچ جاتا تھا۔

مذکورہ بالا روایات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ راوی کسی ایک بات پر متفق نظر نہیں آتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی خرافات میں سے ہے اور نبی معصوم سے اس بارے میں کوئی چیز منقول نہیں

اب ایک تفصیلی روایت سنیئے۔ اس کے مرکزی راوی بھی وہب بن منبہ ہیں جو کہ اسرائیلیات کو نقل کرنے کی وجہ سے درجہ شہرت کو پہنچے ہوئے ہیں فرماتے ہیں روایت یہ ہے جب حواریوں نے عیسیؑ سے نزول مائدہ کا مطالبہ کیا تو روح اللہ نے اسے ناپسند سمجھا کہ کہیں اس کے

نزول کے بعد انکار کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ لیکن جب حواریوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی جو کہ قبول ہوگئی۔ چنانچہ ایک سرخ رنگ کا دسترخوان اوپر نیچے دو بادلوں کے درمیان ان کے سامنے اترا اور عیسیٰؑ شرط پورا نہ ہونے کے خوف کی وجہ سے رو رہے تھے کہ بصورت انکار کہیں قوم پر عذاب نہ آجائے جب دسترخوان آگیا تو حواریوں نے اس سے ایسی عمدہ خوشبو محسوس کی جو اس سے پہلے انہوں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی عیسیٰؑ اور حواری بطور شکرانہ سجدہ میں گر گئے۔ یہ سارا منظر یہود کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے یہود کے چلے جانے کے بعد جب عیسیٰؑ اور حواریوں نے دسترخوان کی طرف دیکھا تو وہ رومال سے ڈھانپا ہوا تھا حضرت نے فرمایا کہ کون ہے جسے اپنی ذات پر مکمل اعتماد ہو اور وہ رومال اٹھانے کی جرات کر سکتا ہو تا کہ ہم دسترخوان پر موجود اشیاء کا نظارہ کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھا کر اس کی حمد کریں حواری کہنے لگے اے روح اللہ آپ ہی اس کے سب سے زیادہ حقدار ہیں حضرت عیسیٰؑ کھڑے ہوئے نیا وضو کیا پھر اپنے خاص مصلی پر جا کر چند رکعات نماز پڑھی پھر دیر تک روتے رہے پھر واپس آ کر دسترخوان سے بسم اللہ خیر الرازقین پڑھ کر رومال ہٹا دیا تو اس پر فرائی شدہ موٹی تازہ مچھلی تھی جس پر کوئی چھلکا نہیں تھا اور نہ ہی اسمیں کوئی کانٹا تھا اور اس کے موٹا ہونے کی وجہ سے اس سے چربی بہہ رہی تھی اور اس مچھلی کے اردگرد سوائے کراث ؎ کے ہر قسم کی سبزیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اور اسکے سر کیطرف سرکہ تھا جبکہ دم کیطرف نمک پھر سبزیوں کے اردگرد پانچ روٹیاں تھیں ان میں سے ایک روٹی پر زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر پانچ انار تھے ایک اور روایت کے مطابق ایک پر زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی، چوتھی پر پنیر پانچویں پر خشک گوشت کے ٹکڑے تھے۔ اس کے بعد حواریوں کے سردار شمعون نے عرض کیا اے روح اللہ کیا یہ دنیا کے کھانے ہیں یا جنت کے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ اب بھی ان عجائبات کو دیکھ کر عبرت نہیں حاصل کرتے ہو خبردار ان سوالوں سے باز آ جاؤ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ یہ نشانی کہیں تمہارے لئے

؎ کراث ایک بدبودار قسم کی سبزی ہوتی ہے۔

عذاب کا سبب نہ بن جائے شمعون نے عرض کی اے ابن صدیقہ مجھے اسرائیل کے رب کی قسم میرا مقصد سوال کرنا نہ تھا اس پر حضرت عیسیٰ نے جواب دیا کہ یہ نہ دنیا کا کھانا ہے اور نہ ہی جنت کا بلکہ یہ اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے فضا میں ہی پیدا کیا ہے وہ صرف کلمہ کن کہتا ہے چیز فورا مخلوق ہو جاتی ہے پس اللہ تعالی کا نام لیکر کھاؤ اور شکرادا کرو ۔ اس پر حواری کہنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ اس معجزہ کے اندر ایک اور معجزہ دیکھیں روح اللہ نے فرمایا سبحان اللہ کیا یہ نشانی کافی نہیں ہے پھر عیسیٰ نے مچھلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے مچھلی زندہ ہو جا چنانچہ وہ فرائی شدہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہوگئی ۔ تروتازہ ہو کر تڑپنے لگی اور اس کی آنکھیں گھومنے چمکنے لگیں ۔ یہ دیکھ کر لوگ ڈر گئے حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ اب ڈرتے کیوں ہو مجھے تو خدشہ ہے کہ یہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ تمہارے لئے عذاب اور فتنے کا سبب نہ بن جائے اس کے بعد حضرت نے فرمایا اے مچھلی تو جیسی تھی ویسی بن جا چنانچہ وہ پہلے کی طرح بن گئی پھر حضرت نے انہیں کھانے کو کہا تو وہ کہنے لگے کہ پہلے آپ کھائیں پھر ہم کھائیں گے ۔ حضرت نے فرمایا معاذ اللہ جس نے پہلے مطالبہ کیا ہے اسی کو پہلے کھانا چاہئے جب حواریوں نے دیکھا کہ حضرت نہیں کھا رہے تو وہ ڈر گئے کہ نزول مائدہ ناراضگی کا سبب ہے اس لئے کھانے سے رک گئے جس پر حضرت عیسیٰ نے فقیروں ,معذوروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ کھاؤ یہ اللہ تعالی کی طرف سے رزق ہے اور تمہارے نبی کی دعا کا نتیجہ ہے اس کے بعد اللہ تعالی کی تعریف کرو یہ تمہارے لئے مبارک اور دوسروں کیلئے عقوبت ہے وہ اللہ کا نام لیکر کھانے کیلئے بیٹھ گئے اور اختتام پر اللہ تعالی کی حمد اور ثناء کی چنانچہ تیرہ سو مرد وعورتوں نے کھایا سب پیٹ بھر کر ڈکار مارتے ہوئے اٹھ گئے عیسیٰ اور حواریوں نے جب دسترخوان کی طرف دیکھا تو وہ پہلے کی طرح بھرپور تھا کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی تھی ۔ پھر ان کے دیکھتے ہوئے وہ آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا ۔ جس فقیر نے کھایا وہ غنی ہوگیا ۔ جس مریض نے کھایا وہ تندرست ہوگیا ۔ جن حوایوں نے کھانے سے انکار کیا تھا وہ سخت شرمندہ ہوئے اور مرتے دم تک

یہ حسرت ان کے دلوں میں باقی رہی ۔ پھر جس وقت سے مائدہ اترنا تھا تو بنی اسرائیل ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے اور ایک دوسرے پر گرتے حضرت عیسیٰؑ نے جب یہ حالت دیکھی تو ان کیلئے باری مقرر کردی کہ ایک دن جو کھائے دوسرے دن نہ آئے اس طرح چالیس دن گزر گئے دن بھر کھانے کا سلسلہ جاری رہتا اس کے بعد مائدہ بحکم الٰہی آسمان کیطرف چڑھ جاتا تھا اور لوگ اس کا سایہ زمین پر دیکھتے رہتے تھے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ یہ میرا رزق فقراء، یتامی، مساکین اور مریضوں کیلئے ہے اغنیاء کیلئے نہیں مالداروں کو یہ بات بری لگی اور لگے باتیں بنانے خود بھی شک میں پڑ گئے اور دوسروں کو بھی شک میں ڈال دیا اور غلط باتیں پھیلانے لگے ۔ شیطان نے بھی ان کے دلوں پر قبضہ کرلیا اور اچھے لوگوں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالے چنانچہ وہ کہنے لگے کہ اے عیسیٰؑ سچ بتانا کہ کیا یہ نزول مائدہ حق بات ہے کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ شک میں ہیں اس پر عیسیٰؑ نے کہا رب عیسیٰؑ کی قسم تم گمراہ ہو گئے ہو تم نے نبی سے درخواست کی تھی کہ خدا سے مائدہ کی دعا کرے جب اس نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی رحمت اور اپنا رزق اتار دیا اور تمہیں اپنی نشانی دکھائی تو تم انکار کرنے لگے اور شک میں پڑ گئے اب عذاب کی خبر سن لو وہ تمہیں دبوچنے ہی والا ہے الا یہ کہ خدا ہی تم پر رحم کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ میں منکرین کو نہیں چھوڑوں گا کیونکہ نزول مائدہ کے بعد انکار کرنے والوں کیلئے میری یہ شرط تھی کہ انہیں ایسا عذاب دیا جائے گا جو اب تک کسی کو نہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ یہ شک کرنے والے جب اپنے بستروں پر سو گئے سوتے وقت تو وہ اپنی اچھی خوبصورت شکل پر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے رات کے آخری حصہ میں انہیں خنزیر بنا دیا یہ گندگیوں اور کچروں میں پھرنے لگے ۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۲۴ ج ۲)

یہ روایت نہ یہ کہ سابقہ روایات سے متصادم ہے بلکہ خود اس کے اندر

بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ کما لا تخفی علی من تامل

علاوہ ازیں ابن کثیر اس کے بارے میں فرماتے ہیں ھذا اثر غریب جدا اور امام قرطبی فرماتے ہیں **فی ھذا الحدیث مقال ولا یصح من قبل اسناد** یعنی اس حدیث میں کلام ہے اور سند کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے

(قرطبی صفحہ ۲۳۹/ج ۲)

جو اثر دوسری روایت کے ساتھ متصادم ہونے کے علاوہ باہم بھی متضاد ہو اور اس میں اعلی درجے کی غرابت بھی ہو اور اسکی سند میں مقال بھی تو ہو ایسی روایت کو کوئی عقل کا اندھا ہی قبول کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلی خرافات اور موضوع روایات کی آفت اسلام اور اہل اسلام پر انہی روایا غریبہ کی وجہ سے بڑی ہے اسی لئے امام احمد بن حنبل کا مشہور فرمان ہے **لا تکتبوا ھذہ الاحادیث الغرائب فانھا مناکیر و عامتھا عن الضعفاء**

یعنی یہ غریب روایات مت لکھو کیونکہ یہ منکر ہیں اور زیادہ تر ان کے راوی ضعیف ہیں اور امام دار الھجرۃ امام مالک فرماتے ہیں شر العلم الغریب سب سے برا علم روایات غریبہ سے حاصل ہونے والا علم ہے اور امام ابن مبارک فرماتے ہیں علم تو وہ ہے جو کہ مشہور ثقہ راویوں سے حاصل ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصل نزول مائدہ کا قصہ تو بلاشبہ قرآن کریم سے ثابت ہے جیسا کہ ہم بحث کے شروع میں اختصار کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ جو چیزیں مشکوک ہونے کی وجہ سے قابل ترک ہیں وہ یہی اضافہ جات ہیں جو کہ ان اسرائیلی روایات میں بیان کئے گئے ہیں۔

الھم احفظ الاسلام و المسلمین عن ھذہ الخرافات۔

۶۱۔ قال رب ارنی انظر الیک الایۃ آیت ۱۴۳ اعراف

حضرت موسیٰ طور پر جاتے ہیں وہاں براہ راست رب العزۃ سے گفتگو ہوتی ہے فرط محبت کی وجہ سے موسی علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالی کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اوراس شوق کا اظہار رب ارنی کہہ کر کرتے ہیں جواب میں اللہ تعالی فرماتے ہیں لن ترانی۔ کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھیں اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو پھر آپ بھی مجھے دیکھ سکیں گے۔ لیکن جب اللہ تعالی نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑتے ہیں جب ہوش آتا ہے تو اللہ تعالی کی عظمت وجلال کا اقرار اور اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں اتنی سی بات تھی لیکن اسرائیلی ذہن نے بات کا بتنگڑ بنا دیا اور ان کی گندی سوچ نے اس سلسلہ میں ایک انتہائی گستاخانہ روایت گھڑ ڈالی اور ہمارے بعض مفسرین نے اسے بصد خوشی قبول کرکے اپنی کتابوں کی زینت بنا ڈالا ثعلبی اور ان کے شاگرد رشید بغوی وغیرہ نے وہب بن منبہ اور ابن اسحاق سے داستان نقل کی ہے آپ بھی پڑھیئے اور فیصلہ کیجئے کہ یہ روایت اسلامیات کا حصہ بنانے کے قابل ہے یا کہ کوڑے کے ڈھیر پر ڈالنے کے قابل

گستاخانہ داستان

جب موسیٰ نے دیدار الہی کا سوال کیا تو اللہ تعالی نے دھند اندھیری، کڑک بجلی یہ سب چیزیں بھیج دیں۔ جنہوں نے کوہ طور کو ہر طرف سے بارہ بارہ میل تک گھیرے میں لے لیا اس کے بعد اللہ تعالی نے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ کے پاس ڈراؤنی شکلوں میں جاؤ اور اسے ڈراؤ۔ چنانچہ سب سے پہلے آسمان دنیا کے فرشتے بیلوں کی شکلوں میں ظاہر ہوئے کہ اس حال میں کہ وہ بجلی کی کڑک جیسی ڈراؤنی آواز کے ساتھ اللہ تعالی کی تسبیح و تقدیس کررہے تھے پھر اللہ تعالی نے دوسرے آسمان کے فرشتوں کو موسیٰ کے سامنے جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ خوفناک اژدھائی شکلوں میں اونچی آوازوں کے ساتھ تسبیح وتقدیس

کرتے ہوئے ظاہر ہوئے اور گھبراہٹ کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے سر اور جسم کے بال کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ میں اپنے سوال پر شرمندہ ہوں اے اللہ کیا اس صورت حال سے بچاؤ کی شکل ہے خیر الملائکہ اور فرشتوں کے سردار جبرائیل نے کہا اے موسیٰ اپنے سوال کی سزا بھگت ابھی تو تو نے کچھ بھی نہیں دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرے آسمان کے فرشتوں کو موسیٰ پر اترنے کا حکم دیا جس پر وہ بڑی گونج گرج اور شور شرابے کے ساتھ تسبیح تقدیس کرتے ہوئے ظاہر ہوئے جیسے کوئی جیش عظیم گھن گرج کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہوئے اور گھبرا گئے بلکہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے جس پر انہیں جبرائیل نے کہا صبر کریں ابھی تو تجھے ایسے چیزیں دکھائی جائیں گی جن کو تو برداشت بھی نہیں کر سکے گا پھر اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان کے فرشتوں کو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آنے کا حکم دیا پس وہ کچھ ایسی ڈراؤنی شکلوں اور آوازوں کے ساتھ ظاہر ہوئے جو موسیٰ نے آج تک نہ دیکھی تھیں اور نہ ہی سنی تھیں جس سے موسیٰ کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور دل پر لرزہ طاری ہو گیا اور بآواز بلند رونا شروع کر دیا جس پر جبرئیل نے کہا ابن عمران صبر کر ابھی تک تو تو نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے پانچویں آسمان کے فرشتوں کو ان کے سامنے آنے کا حکم دیا چنانچہ وہ سات رنگوں میں ظاہر ہوئے جنہیں دیکھنے کی سکت ہی نہ رہی کیونکہ اس سے پہلے موسیٰ نے کبھی ایسی شکلیں نہیں دیکھیں تھیں اور نہ ہی ایسی آوازیں سنی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر موسیٰ کا خوف وحزن انتہاء درجے کو پہنچ گیا اور چیخیں نکل گئیں جس پر جبرئیل نے کہا یا ابن عمران **مکانك حتی تری بعض مالا تصبر علیه** پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا چنانچہ وہ اس حال میں اترے کہ ہر فرشتے کے ہاتھ میں بڑی کھجور کے تنے کے برابر آگ تھی جسکی روشنی اور تپش سورج سے بھی زیادہ تھی اور ان کے لباس آگ کی طرح دہک رہے تھے جب وہ تسبیح وتقدیس کرتے تو تمام آسمان کے فرشتے ان کو جواب دیتے چنانچہ ہر فرشتے کے چار منہ تھے جب موسیٰ نے انہیں دیکھا تو روتے ہوئے

گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس جان لیوا صورت حال سے چھٹکارا پا سکوں گا یا نہیں جس پر جبرائیل نے کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ بے حد خوف کی وجہ سے کہیں تیرا دل نہ پھٹ جائے اے ابن عمران لیکن کیا کیا جائے تجھے اپنے سوال کی سزا بھگتنا ہی ہوگی پھر اللہ تعالی نے ساتویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے عرش کو اٹھائیں چنانچہ عرش کا نور ظاہر ہوا تو پہاڑ پر لرزہ طاری ہوگیا جس سے وہ پھٹ گیا اور اس پر موجود سارے درخت جل گئے اور عبد ضعیف موسیٰ بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر گئے اور ایک پتھر کا قبہ بنا کر ان پر رکھ دیا گیا۔ ہوش آنے پر اللہ سے معافی مانگی اور تجلی کو کر برداشت نہ کرتے ہوئے طور پہاڑ سے چھ اور پہاڑ بن گئے ان میں سے تین مدینہ میں گر پڑے وہ یہ ہیں احد، ورقان، رضوی اور تین مکہ میں جن کے نام یہ ہیں۔ ثور، ثبیر، حرا، یہ ہے تفسیر فلما تجلی ربہ الایۃ کی

قال ابن کثیر هذا حديث غريب بل منكر یہ حدیث انتہائی غریب اور منکر ہے۔

قارئین کرام

یہ ہے وہ گستاخانہ روایت جس میں ایک طرف تو خدا کی نورانی مخلوق کو بعض نجس پرندوں اور جانوروں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے تو دوسری طرف رئیس الملائکہ کی زبان سے وقت کے پیغمبر کے لئے دھمکی آمیز اور گستاخانہ کلمات استعمال کروائے گئے اور تیسری طرف یہ بات باور کرائی گئی کہ اگر کوئی بندہ خدا فرط محبت میں رب العزت سے کوئی التجا کر بیٹھے تو اللہ تعالی اسے ایسے ڈراتے، دھمکاتے ہیں کہ آئندہ وہ اپنے رب سے مانگنے کا تصور بھی نہ کرے

اعاذ ناالله منها

بلاشبہ یہ روایت نہ نبی معصوم کی زبان سے نکلی ہوئی ہے اور نہ ہی آیت کی تفسیر

اس روایت پر موقوف ہے اور نہ یہ روایت غلیظہ اس قابل ہے کہ اسے اسلامیات کا حصہ بنایا جائے بلکہ یہ تو اس قابل ہے کہ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔

بلکہ بعض روایات میں تو یہاں تک غضب کیا گیا ہے کہ جب موسیٰؑ بے ہوش تھے تو اس وقت فرشتے آ کر حضرت موسیٰؑ کو اپنے پاؤں سے روندتے ہوئے کہتے تھے **یا ابن النساء الحیض اطمعت فی رویة رب العزة** بلاشبہ یہ انہیں بنی اسرائیل کے مکذوبات میں سے ہے جو کہ ہمیشہ نبیوں کو شہید اور مسلسل پریشان کرتے رہے ہیں امت مسلمہ کا دامن اس سے بری ہے۔

تنبیہ

صاحب کشاف نے بھی اپنا مشہور عقیدہ اعتزالیہ کہ رویت باری تعالی دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں محال ہے ثابت کرنے کیلئے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں ایسی روایات کی فضول بھرتی کی ہے جو کہ اس کیلئے مفید نہیں کیونکہ موضوعات اور ضعاف سے عقائد ثابت نہیں ہوتے بلکہ جعلی روایت سے استدلال کرنے والا جعلی کرنسی چلانے والے سے بھی بڑا مجرم ہے

عقیدہ اہل سنت

اہل سنت و جماعت کے نزدیک رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن اور شرعاً ممتنع الوقوع ہے اور آخرت میں اس کا وقوع احادیث صحیحہ اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن اسلئے ہے کہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے تو لازم آئے گا موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر نے ایک ایسی چیز کی درخواست کی جو کہ عقلاً ہی محال تھی جب کہ ایسا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا (مفہوم تفسیر عثمانی)

فیصلہ

ہم اس بحث کا اختتام خاتم المفسرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی فیصلہ کن

بات پر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں بعض قصہ گو لوگوں سے منقول ہے کہ جب موسیٰ بے ہوش تھے تو فرشتے انہیں پاؤں کے ساتھ روندتے ہوئے کہتے تھے یا ابن النساء الحیض اطمعت فی رویۃ رب العزۃ یہ کلام ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتماد ہے کیونکہ فرشتے کلیم اللہ کے ساتھ اس قسم کا اہانت آمیز رویہ اور گستاخانہ خطاب کرنے سے بری ہیں۔ روح المعانی صفحہ ۴۶ جلد ۹

۱۳۔الواح تورات اور اسرائیلی روایت

وکتبنا له فی الالواح آیت نمبر ۱۵۰ (اعراف)

مذکورہ جملہ قرآنیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے لئے جس چیز پر ایمان لانا واجب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے موسیٰ پر چند تختیاں اتاری تھیں جن میں توراۃ لکھی ہوئی تھی رہی یہ بات کہ یہ تختیاں کس چیز سے بنی ہوئی تھیں ان کا طول وعرض کیا تھا اور کیفیت کتابت کیا تھی اس کی تفصیل جاننا ہم پر کوئی ضروری نہیں بلکہ اولی یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بحث کرنے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اسمیں سوائے ضیاع وقت کے کوئی فائدہ نہیں۔

لیکن بعض مفسرین مثلاً قرطبی زمخشری بغوی وغیرہ نے لوح توراۃ کے حجم ,تعداد وغیرہ کے بارے میں بعض صحابہ وتابعین نے کعب اور وہب وغیرہ جیسے لوگوں سے جوکہ اہل کتاب سے مسلمان ہوگئے تھے ایسے بہت سے اقوال و روایات ذکر کی ہیں جوکہ باہم متصادم ہیں۔علماء اہل کتاب سے منقول ہونا ان کے اسرائیلیات ہونے کی واضح دلیل ہے علاوہ ازیں وہ مرویات عقل ونقل کے بھی خلاف ہیں اور وہ یہ ہیں۔

ابن عباسؓ الواح توراۃ سدرہ جنت سے بنی ہوئی تھیں انٰ کی لمبائی بارہ گز تھی

حسن بصری	الواح کسی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔
کلبی	سبز رنگ کے قیمتی پتھر سے بنی ہوئی تھیں۔
سعید بن جبیر	یاقوت احمر سے بنی ہوئی تھیں۔
ربیع	لکیر دار کپڑے سے بنی ہوئی تھیں۔
ابن جریج	زمرد سے بنی ہوئی تھیں جوکہ جبرئیل بحکم الٰہی عدن سے لائے تھے اللہ تعالی نے خاص قلم سے توراۃ کو لکھا اور سیاہی نہرالنور سے لی گئی تھی۔

وہب اللہ تعالی نے خود صخرہ صماء سے پتھر لیکر اپنے ہاتھ سے تختیاں بنائیں اور کتابت توراۃ کے وقت موسیٰ قلم کے چلنے کی آواز سن رہے تھے اور کتابت توراۃ کا واقعہ یکم ذوالقعدہ کو پیش آیا اور الواح توراۃ قد موسی کے برابر بارہ گز تھیں۔

مقاتل الواح پر تحریر نقش خاتم کی طرح تھی

ربیع بن انس بوقت نزول توراۃ کا حجم ستر اونٹوں کے وزن کے برابر تھا اسکا ایک جز پورے ایک سال میں ختم ہوتا تھا اور اسے صرف چار آدمی پڑھ سکتے تھے
موسی ۔ یوشع ۔ عزیر ۔ عیسی ۔ علیھم السلام

لطیفه کچھ یوں لگتا ہے کہ شاید اہل تشیع نے بھی اپنی اصل یعنی یہود سے سیکھ کر قرآن کریم کے بارے میں یہ روایت گھڑی ہے کہ اصلی قرآن جو امام کے پاس غار میں ہے اونٹ کی ران کے برابر موٹا اور ستر گز لمبا ہے ۔۔

تشابهت قلوبهم خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسی متضاد روایات کو نبی معصوم کیطرف منسوب کرنا محال ہے ۔ ہاں یہ بات یقینی ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی کارستانی ہے کیونکہ کتابوں میں رد بدل کرنا تو بنص قرآن ان کا آبائی پیشہ ہے ہی پھر کوئی روایت قیاس کر لینا اور گھڑ لینا۔ یہ تو انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ۔ پھر بعض صحابہ وتابعین نے حسن نیت کی بنیاد پر ان سے یہ روایات نقل کر دیں جبکہ قرآنی آیات کی تفسیر ان پر قطعا موقوف نہیں ہے ۔

۱۴۔ جملہ کل شئی اور من گھڑت روایات

من کل شئی موعظة و تفصیلا لکل شئی (اعراف)

قدیما و حدیثا مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ تفصیل کل شی سے دین موسوی کی حلت وحرمت, محاسن و قبائح اور ضروریات کی تفصیل مراد ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہی ہے کہ نہ تو واقعۃً توراۃ میں ہر چیز کی تفصیل موجود تھی کہ زمین کا ذرہ ذرہ اس میں درج ہوتا اور نہ ہی علوم و معارف کے اعتبار سے وہ سب احکام اسمیں درج تھے جو کہ قرآن کریم میں موجود ہیں ورنہ قرآن کریم کو توراۃ پر کیا فضیلت حاصل ہوگی

لیکن اس کے برعکس بعض حضرات نے ایک ایسی بات ذکر کی ہے جو کہ نہ صرف غیر معقول بلکہ غیر مصدقہ بھی ہے کہ **توراۃ علم ماکان وما یکون** پر مشتمل تھی اور اس کی تائید میں کعب احبار کی ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جسے علامہ آلوسی نے بحوالہ طبرانی و بیہقی ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ قیس بن خدشہ کعب احبار کے ساتھ سفر کر رہے تھے جب صفین مقام پر پہنچے تو کعب کھڑے ہوگئے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد گویا ہوئے کہ اس مقام پر مسلمانوں کا اتنا خون بہے گا کہ اس کی مثال نہیں ملے گی۔

قیس نے پوچھا آپ کو یہ غیب کی بات جو کہ خاصہ خداوندی ہے کیسے معلوم ہوگئی۔ کعب نے جواب دیا کہ زمین کی ہر بالشت کے بارے میں اللہ تعالی نے توراۃ میں لکھ دیا ہے کہ قیامت تک اس پر کیا کیا واقعات ہونگے اور اس جگہ سے کیا کیا چیزیں نکلیں گی۔ سر دست ہم صرف اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ کعب احبار کے ان مغالطات میں سے ہے جن کو وہ کبھی کبھی ذکر کرتے تھے اور صحابہ ان کی تردید کرتے رہتے تھے لہذا ہم اس بات کی تصدیق کرنے سے قاصر ہیں کہ توراۃ کے اندر قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کی تفصیلات موجود تھیں۔ اب ہم مغالطات و مبالغات کعب کی صرف دو مثالیں ذکر کرتے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

مثال اول

کعب احبار یہ کہا کرتے تھے کہ ذوالقرنین اپنا گھوڑا ثریا ستارے کے ساتھ باندھتے تھے ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان پر انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کیا کہتے ہیں تو وہ جواب میں کہنے لگے کہ یہ میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں **و آتیناہ من کل شئی سببا** اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اجتھاد سے قرآن کی تفسیر کرتے رہتے تھے جو کہ کسی طرح بھی درست نہیں ہم نے اس بات کو ان کا اجتہاد اس لئے قرار دیا ہے کہ اگر یہ بات انہوں نے کسی پہلی کتاب میں پائی ہوتی تو کہہ سکتے تھے کہ میں نے یہ بات کتب اولین میں پائی ہے اور امام ابن کثیر بھی اس واقعہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے انکار علی کعب کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں والحق مع **المعاویة فی هذا الانکار** اور تھوڑا سا آگے چل کر کہتے ہیں کہ کعب احبار کا مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ذوالقرنین اپنا گھوڑا ثریا کے ساتھ باندھتے تھے غیر صحیح اور حقیقت کے مطابق نہیں۔ ابن کثیر صفحہ ۱۱۳ جلد ۳

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ کعب احبار جو روایات ہمارے سامنے بیان کرتے ہیں ہم ان کو جھوٹا پاتے ہیں۔ پھر ابن کثیر کعب احبار کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کعب خود جھوٹ نہیں گھڑتے تھے بلکہ محرف اور مبدل شدہ اسرائیلی کتب سے نقل کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ قال اللہ و قال الرسول کے ہوتے ہوئے ان مسخ شدہ کتابوں کے اقتباسات کی کوئی ضرورت نہ تھی کاش کہ ان سے اجتناب کیا جاتا اور اسلامی کتب میں اسرائیلی روایات سے جو شر کثیر اور فساد عریض آ گیا ہے اس سے بچا جا سکتا۔

مثال ثانی

کعب احبار کے غلط اجتہاد اور اس سے رجوع کی ایک اور مثال سنیئے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ کعب احبار سے جمعہ کے دن میں پائی جانے والی قبولیت کی گھڑی کے بارہ میں سوال کرتے ہیں کعب جواب دیتے ہیں کہ وہ گھڑی پورا سال صرف ایک جمعہ میں ہوتی ہے ابو ہریرہؓ جواب دیتے ہیں کہ یہ تو ہر جمعہ کے دن گھڑی ہوتی ہے جس پر کعب احبار توراۃ کی طرف مراجعت کرنے کے بعد ابو ہریرہؓ کی بات مان لیتے ہیں۔ (التفسیر والمفسرون صفحہ ۱۲۰ جلد ۱)

جب کعب احبار کا ذکر آ ہی گیا ہے تو ضروری ہے کہ ان کی شخصیت اور کردار کے بارہ مین چند معروضات ذکر کر دی جائیں تاکہ ہمارے قارئین بھی ان کے بارہ میں علی علم ہو جائیں نام کعب ہے کنیت ابو اسحاق نسبت حمیری ہے زمانہ نبوی میں عاقل بالغ تھے اور کتب یہود کے ماہر تھے اسی وجہ سے انہیں کعب الحبر اور کعب الاحبار کہا جاتا تھا اور ان کے زمانہ اسلام میں تین قول ہیں۔
اول زمانہ فاروقی میں مشرف باسلام ہوئے ثانی زمانہ صدیقی میں ثالث حضورﷺ کے زمانہ میں ہی مسلمان ہو گئے تھے لیکن ہجرت میں تاخیر کی وجہ سے زیارت سے محروم رہے لیکن قول اول ہی اشہر و اصح ہے

(حاشیہ بخاری صفحہ ۱۰۹۴ جلد ۲)

اسلام لانے کے بعد مدینہ میں رہائش پذیر رہے دور فاروقی میں روم کے جہاد میں شریک رہے پھر دور عثمانی میں شام میں رہائش اختیار کر لی تھی یہاں تک کہ خلافت عثمانی میں ہی شام کے شہر حمص میں فوت ہوئے کتب بنی اسرائیل اور ثقافت یہود کے بڑے ماہر تھے صحابہؓ میں سے حضرت عمر، صہیب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنھم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے حضرت معاویہ، ابو ہریرہ ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنھم اجمعین نے روایت کی ہے اور علماء جرح و تعدیل

کی اکثریت ان کی ثقاہت پر تقریباً متفق ہے۔

فرمان معاویہ

ہاں ان کے بارہ میں اگر کوئی چیز قابل غور ہے تو وہ حضرت معاویہؓ کا فرمان ہے جو انہوں نے اپنے دور خلافت میں مدینہ منورہ کے اندر قریش کی ایک جماعت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ کعب ان تمام لوگوں میں سے سچے ہیں جو کہ اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم بعض اوقات کعب کی بات میں جھوٹ پاتے ہیں۔

(بخاری شریف صفحہ ۱۰۹۴ جلد ۲)

لیکن ہم اس سے چند صفحات پہلے ابن کثیر کے حوالہ سے قول معاویہؓ نقل کرنے کے بعد ابن کثیر کا وضاحتی بیان بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اس سے کعب احبار کا وضاع یا کذاب ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حضرت معاویہؓ خود انہیں تمام رواۃ اہل کتاب میں سے اصدق قرار دے رہے ہیں۔ کذب جو آیا ہے تو وہ سابقہ محرف شدہ کتب سے آیا ہے۔ ان کا گھڑا ہوا نہیں ہے۔

لیکن پھر بھی حضرت معاویہ جیسے زیرک صحابیؓ کا یہ فرمان اسوقت سامنے آیا تھا کہ جب انہوں نے کعب احبار کی مرویات و آرا میں سے بعض کو حق و صداقت کے خلاف پایا جسکی دو مثالیں ابھی گزر چکی ہیں اس لئے ہم قول معاویہؓ کی روشنی میں یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت کعب احبار اپنے صدق وصفا اور جملہ فضائل کے باوجود اگر ان بے ہودہ اسرائیلی مرویات کے روایت کرنے میں کہ جنہوں نے امت کے افکار کو مسموم اور عقول کو مجروح کر دیا اور امت مسلمہ پر مصیبت و بلا کا ایک باب کھول دیا احتیاط و اجتناب سے کام لیتے تو بہت بہتر ہوتا جس سے وہ خود بھی راحت پاتے اور امت کو بھی راحت پہنچاتے کاش کہ ایسا ہوتا لیکن ایسا نہ ہوسکا اے بسا آرزو ئے کہ خاک شدہ

۱۵۔القائے الواح توراۃ اور اسرائیلی جھوٹ

ولما رجع موسی الی قومه غضبان اسفا الا یة

۱۵۰اعراف

اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کے غصہ اور القائے الواح توراۃ کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ بالکل واضح ہے جسمیں کوئی خفا نہیں کہ اپنی قوم کے گوسالہ پرستی والے مشرکانہ عمل اور شدید نافرمانی کو برداشت نہ کرتے ہوئے شدت تکلیف اور دینی حمیت وغیرت سے مجبور ہو کر موسیٰ نے توراۃ کی تختیاں ایک طرف ڈال دیں۔ اب اسرائیلی جھوٹ سنیئے اور اندازہ کیجئے کہ اس ملعون گروہ نے معصوم پیغمبروں کی جماعت میں کس گھناؤنے انداز میں حسد و کینہ جیسی عادات خبیثہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسرائیلی جھوٹ -: موسیٰ نے جب توراۃ کو پڑھا تو عرض کیا اے میرے رب میں نے الواح توارۃ میں ایک امت کے بارے میں یہ اوصاف پڑھے ہیں **امة اخرجت للناس یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر** اے اللہ یہ میری امت بنادے اللہ نے فرمایا کہ یہ احمد ﷺ نبی کی امت ہے پھر موسیٰ نے عرض کیا توراۃ میں ایک اور امت کا کا بھی ذکر پاتا ہوں جن کی وصف ہے **هم آخرون فی الخلق سابقون فی دخول الجنة** اے اللہ یہ میری امت بنادے اللہ تعال نے فرمایا **تلك امت محمد** ﷺ پھر عرض کیا اے میرے اللہ میں توراۃ میں ایک اور امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جن کی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور اسے زبانی پڑھیں گے اور انہیں اللہ تعالی بے مثال حافظہ عطا فرمائیں گے۔ یا اللہ یہ میری امت بنادے اللہ فرماتے ہیں **تلك امت احمد** ﷺ پھر عرض کرتے ہیں کہ توراۃ میں ایک اور امت کا ذکر پاتا ہوں جسکی صفت ہے **یومنون بالکتاب الاول و بالکتاب الآخر و یقاتلون فصول الضلالة حتی لیقا تلون الاعور**

الكذاب اے اللہ یہ میری امت بنا دے اللہ فرماتے ہیں تلک امۃ احمد پھر عرض کرتے ہیں کہ میں توراۃ میں ایک ایسی امت پاتا ہوں جو کہ اپنے صدقات خود کھا سکے گی اس پر بھی ان کو ثواب ملے گا جبکہ سابقہ امتوں کے صدقات کی قبولیت کی علامت آگ کا جلانا تھا اے اللہ یہ میری امت بنا دے اللہ تعالی فرماتے ہیں تلک امۃ احمد پھر عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب میں توراۃ میں ایک ایسی امت پاتا ہوں کہ اگر وہ کسی نیک عمل کا ارادہ کرے گی تو ایک نیکی لکھی جائے گی پھر اگر عمل کرنے کی نوبت آ گئی تو دس سے لیکر سات سو گنا تک نیکیاں لکھی جائیں گی۔ **رب اجعلهم امتی** اللہ فرماتے ہیں تلک امۃ احمد پھر عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب میں توراۃ میں ایک ایسی امت پاتا ہوں جن کو حق شفاعت دیا جائے گا اور خود اس امت کیلئے بھی شفاعت کی جائیگی **فاجعلهم امتی قال الله تعالی تلك امت محمد** قتادہ کہتے ہیں کہ موسی نے یہ دوٹوک جوابات سن کر توراۃ کی تختیاں ایک طرف پھینک دیں اور عرض کرنے لگے **اللهم اجعلني من امت محمد** اے اللہ پھر مجھے بھی امت محمدیہ میں سے بنا دے

حقیقت یہ ہے کہ اس داستان میں سوالیہ شکل میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ اس امت محمدیہ کے متعلق قرآن وحدیث میں بیان شدہ ہیں جنہیں کسی یہودی کذاب نے سوالات کی شکل میں ڈھال کر موسیٰ کی زبان اقدس سے کہلانے کی کوشش کی ہے اور بقول امام ابن کثیر کہ اس داستان کے گھڑنے کیوجہ بظاہر اس کے سوا کچھ نہیں کہ جماعت انبیاء کو باہم محبت کرنے والے بھائیوں کے بجائے ایک دوسرے کے ساتھ حسد وبغض رکھنے والا ثابت کیا جائے کہ ایک نبی دوسرے نبی کی فضیلت سن کر برداشت نہ کرتے ہوئے آسمانی کتاب کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔

امام ابن کثیر کا اعلان حق

رحم اللہ الامام الکبیر النا قدا بن کثیر لانہ اوضح و بین لنا حقیقة سند ھذالروایة المکذوبہ و قال وروی ابن جریر عن قتادہ فی ھذا قولا غریبا لا یصح اسنادہ الی حکایة قتادہ و قد ردہ ابن عطیة و غیر واحد من العلماء و ھو جدیر بالرد و کانہ تلقاہ قتادہ من بعض اھل الکتاب و فیھم کذابون و وضاعون و افاکون وزنادقة ۔

خلاصہ یہ کہ اس روایت کی سند میں کذاب ,وضاع ,افاک اور زندیق ہیں اور اس قابل ہے کہ اسے رد کر دیا جائے ۔

(ابن کثیر صفحہ ۲۷۶ جلد ۲)

قرطبی ۔

اور امام قرطبی بھی فرماتے ہیں الواح توراۃ کو ایک طرف رکھنے کی وجہ قرآنی سیاق سے ظاہر ہے لھذا یہ کہنا کہ حضرت موسیٰؑ نے امت محمدیہ کی فضیلت سے چڑ کر یہ کام کیا درست نہیں **بل ھذا قول ردی لا ینبغی ان یضاف الی موسی علیہ السلام** ۔ یہ ایک انتہائی گھٹیا بات ہے کہ کسی طرح بھی اس کی نسبت موسیٰؑ کی طرف درست نہیں ۔ قرطبی صفحہ ۲۸۸ جلد ۷

حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ قرآن کریم نے تختیاں رکھنے کو القاء سے تعبیر کر دیا ہے جسے نا معلوم لوگوں نے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا **الھلم وفقنا لقبول الحق الصریح**

٦١۔فضیلت بنی اسرائیل اور اسرائیلیات

و من قوم موسیٰ امة یهدون بالحق و به یعدلون

(آیت نمبر ۱۵۹ اعراف)

اس آیت کریمہ میں یہود کے ایک اچھے گروہ کا ذکر ہے۔

بقول علامہ عثمانی مرحوم گو اکثر یہودی سرکشی اور ناانصافی کی راہ اختیار کرر ہے ہیں تاہم کچھ ایسی سعید روحیں بھی ہیں جو دوسروں کو حق کی طرف دعوت دیتی ہیں اور بذات خود حق وانصاف کے راستوں پر گامزن ہیں مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ

لیکن اس کے برعکس تفسیر ابن جریر میں اس آیت کی تفسیر کے تحت درج شدہ ابن جریج کی زبانی ایک عجیب وغریب کہانی سنیئے۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب انبیاء کو شہید کیا اور کافر ہو گئے تو ان کے بارہ قبائل میں سے ایک قبیلہ نے ان کے اس عمل بد سے برات کا اعلان کیا اور بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کی کہ ہمارے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سرنگ کھول دی جسمیں وہ چلنے لگے یہاں تک کہ وہ چین کو بھی کراس کر کے آگے نکل گئے جہاں وہ یکسوئی کے ساتھ اسلامی زندگی گزار رہے ہیں اور ہمارے قبلہ کیطرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ابن جریج کہتے ہیں کہ وہ اس سرنگ میں ڈیڑھ سال چلتے رہے اور بقول سدی تمہارے اور اس قوم کے درمیان ایک شہد کی نہر حائل ہے اور کلبی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ قوم چین سے آگے اقصی مشرق میں نہر رمل کے کنارے آباد ہے بڑے صحت مند ہیں رات کو ان کے علاقے میں بارش ہوتی ہے اور وہ کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں ہم سے کوئی بھی ان تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا اور وہ دین حق پر ہیں اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ شب معراج جبرئیل امین حضور ﷺ کو لیکر ان کے پاس گئے تھے آپ

نے ان سے بات چیت کی جبرئیل نے انسے کہا کہ کیا جانتے ہو کہ کس سے ہم کلام ہو وہ کہنے لگےنہیں جس پر جبرئیل نے تعارف کرواتے ہوئے کہا هذا محمد النبی الامی چنانچہ وہ حضور پر ایمان لے آئے اور کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ نے ہمیں وصیت کی تھی کہ **من ادرك منكم احمد فيلقوء عليه منى** السلام جس پر حضور نے ان کو سلام کا جواب دیا پھر حضور نے انہیں وہ دس سورتیں پڑھائیں جو کہ مکہ میں نازل ہوگئیں تھیں اور انہیں نماز وزکوۃ کا حکم دیا اور انہیں ہفتہ کی بجائے جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا جس سے انہوں نے ہفتہ کی تعظیم چھوڑ دی (روح المعانی صفحہ ۸۴ جلد ۹)

یہ روایت بھی سابقہ روایات کی طرح قابل رد ہے بلاشبہ اسرائیلی خرافات میں سے ہے جسے ابن جریج وغیرہ نے نومسلم اہل کتاب سے اخذ کیا ہے اس روایت کا نبی معصوم سے ثابت ہونا سنداً وعقلاً پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا

امام آلوسی کا دلچسپ فیصلہ

روایت هذا اور اس کی سند کے بارہ میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں **ولوابتغيت نفقا في الارض اوسلمافي السماء** (روح المعانی صفحہ ۸۵ جلد ۹)

یعنی اگر تم سرنگ کھود کر زمین کی تہہ تک بھی چلے جاؤ یا سیڑھی لگا کر آسمان تک پہنچ جاؤ تب بھی اس روایت کی کوئی قابل اعتماد سند نہیں ملے گی۔

ویسے بھی اس روایت میں درج شدہ تفصیلات عقل ہی نہیں ظاہری مشاہدات کے بھی خلاف ہے خصوصاً اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں کہ سٹیلائیٹ سیاروں کے ذریعے چشموں کے پھوٹنے کی جگہ چینٹیوں کا چلنا, بلکہ زمین کی رگوں میں بہنے والے تیل کا پتہ چلایا جارہا ہے گویا کہ پوری دنیا آئینہ کی طرح سامنے ہے اور بیت واحد کیطرح ہوگئی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ یہ قوم چین سے کس طرف آباد ہے شہد کی نہر کہاں ہے۔ نہر رمل کیا ہے اور کہاں ہے پھر آخر

ایسی بے سرو پا روایات کے ذکر کرنے سے فائدہ بھی کیا حاصل ہوتا ہے خصوصاً موجودہ دور میں اگر کوئی داعی اسلام دعوت دیتے ہوئے یہ روایت بیان کر بیٹھے تو اپنے سامعین کو کیسے مطمئن کر سکے گا **اللھم اھدنا الصراط المستقیم**

۱۷۔آدمؑ و حوا اور نسبت شرک

ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ اعمایشرکون

آیت نمبر ۱۹۰ سورۃ اعراف

سابقہ مقامات کی طرح بعض مفسرین نے یہاں بھی کچھ ایسی روایات ذکر کر دی ہیں کہ جن کا تانا بانا اسرائیلیات سے بنتا ہے اور بہت سے مفسرین ان روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ آیت کریمہ میں نفس واحد سے مراد آدمؑ اور زوجہ سے حواؑ ہیں

اور معاملہ اسوقت اور بھی سنگین ہو گیا جبکہ **جعلالہ شرکا فیما آتاھا** کی تفسیر میں ایک حدیث مرفوع اور بعض صحابہ و تابعین سے کچھ آثار بھی بیان کر دیئے گئے چنانچہ بہت سے مفسرین مثلاً ابن جریر ,ثعلبی ,بغوی ,سیوطی وغیرہ ان روایات سے دھوکہ کھا گئے ۔

اور ہمارے اعصاب اس وقت بالکل ہی جواب دے گئے ۔ جب ہم نے دیکھا کہ آلوسی جیسی قدآور شخصیت بھی ان روایات کے چکر اور گرداب میں پھنس گئی ہے حالانکہ وہ ردموضوعات و اسرائیلیات میں یدطولیٰ رکھتے ہیں چنانچہ امام آلوسیؒ فرماتے ہیں **ھذہ الایۃ عندی من المشکلات و للعلماء فیہ کلام طویل و نزاع عریض** یعنی یہ آیت میرے نزدیک قرآن کریم کے انتہائی مشکل مقامات میں سے ہے اور علماء نے اس مقام پر لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں پھر تھوڑا سا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ابن جریر نے ایک حبر سے نقل کیا ہے کہ۔

ان هذا الاية نزلت في تسمية آدم وحوا ولد هما بعبد الحارث ومثل ذلك لايكاد يقال من قبل الرائي وهو ظاهر في كون الخبر تفسير الاية وانت علمت انه اذ صح الحديث فهو مذهبي واراه قد صح ولذلك احجم كميت قلمي عن الجرى في ميدان التاويل

(تفسیر آلوسی صفحہ ۱۳۹ جلد ۹)

کہ یہ آیت آدم حوا نے جو اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا تھا اس بارہ میں نازل ہوئی اور ایسی بات رائی سے نہیں کہی جاسکتی ہے لہذا بظاہر یہ خبر آیت کی تفسیر ہی ہے اور آپکو تو معلوم ہی ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہوتا ہے اور میں اسے صحیح سمجھتا ہوں اس لئے تاویل کے میدان میں میرے قلم کا گھوڑا دوڑنے سے انکاری ہے

میدان نقد کے شاہسوار امام ابن کثیرؒ

لیکن انتہائی مایوسی اور پریشانی کی حالت میں جب امام کبیر ابن کثیر کی خدمت میں حاضری دی تو مایوسی امید میں اور پریشانی خوشی میں بدل گئی اور دل کی گہرائیوں سے امام موصوف کیلئے بے ساختہ بے شمار دعائیں نکلنے لگیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام موصوف نے محدثین کی طرز پر نہ یہ کہ ان روایات پر علمی نقد و جرح کی اور ان روایات کی حقیقت اور ان کا اسرائیلی ہونا بیان کیا ہے بلکہ اس مقام کا حق ادا کر دیا ہے اور مفسرین کے ذمہ جو قرض تھا وہ بھی چکا دیا ہے گو علامہ قرطبی نے بھی ان روایات کا ضعیف و اسرائیلی ہونا بیان کیا ہے لیکن کلام میں اجمال اتنا ہے کہ تشفی نہیں ہوتی۔

تحقیق امام ابن کثیر

مقام کی اہمیت اور کلام کی نفاست کی وجہ سے امام ابن کثیر کی پوری بحث نقل کرنے کو دل چاہ رہا ہے تو سنیئے امام فرماتے ہیں کہ

اس مقام پر مفسرین نے بہت سی احادیث و آثار نقل کئے ہیں ہم بھی انہیں نقل کرنے کے بعد صحیح بات ذکر کریں گے۔

حدیث

امام احمد نے اپنے مسند میں حضرت سمرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جب حوا نے بچہ جنا تو ابلیس نے اس کے گرد چکر لگایا اور حوا کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا ابلیس کہنے لگا اسکا نام عبدالحارث رکھ دو تو زندہ رہے گا چنانچہ حوا نے بچے کا نام عبدالحارث رکھ دیا چنانچہ وہ زندہ رہا۔ یہ سب کچھ شیطان کی وحی اور حکم سے ہوا امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں ایک سند میں عمر بن ابراہیم ہے جو کہ یہ روایت بیان کرنے میں منفرد ہے لہذا یہ حدیث غریب ہے اور دوسری سند میں عبدالصمد ہے اور وہ اس روایت کو مرفوع یعنی منسوب الی النبی کرنے کے بجائے صحابی پر موقوف ہونا بیان کرتا ہے۔

پھر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کے اندر تین علتیں ہیں جنکی وجہ سے یہ روایت قابل رد ہے۔

علت اولیٰ یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی عمر بن ابراہیم ہے گو ابن معین نے اسکی توثیق کی لیکن امام ابو حاتم فرماتے ہیں لا یحتج بہ یعنی اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔

علت ثانیہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ حضرت سمرہ بن جندب کا اپنا قول ہے **کذافی تفسیر ابن جریر و الترمذی فی کتاب التفسیر**

علت ثالثہ خود اس حدیث کے مرکزی راوی حسن بصریؒ نے مذکورہ

آیت کی تفسیر اس حدیث کے خلاف کی ہے اگر ان کے پاس یہ مرفوع حدیث ہوتی تو وہ کبھی بھی اس سے عدول نہ فرماتے پھر اس کے بعد امام ابن کثیر اس آیت کریمہ کی مختلف تفسیریں ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر اول حسن بصری فرماتے ہیں کہ جعلا لہ شرکاء سے مراد دوسرے مذاہب کے لوگ ہیں حضرت آدم وحوا مراد نہیں ہیں۔

تفسیر ثانی یہ بھی حسن بصری سے منقول ہے کہ اس سے مراد ذریت آدم ہے جو کہ ان کے بعد شرک میں مبتلا ہوگئی تھی۔

تفسیر ثالث یہ بھی حسن بصری سے منقول ہے کہ جعلا ءلہ سے مراد یہود و نصاری ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اولاد دی تو انہوں نے اپنی اولاد کو یہودی یا عیسائی بنا دیا۔

حسن بصری سے یہ تین تفسیریں نقل کرنے کے بعد امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ تفسیریں حسن بصری سے اسانید صحیحہ کے ساتھ ثابت ہیں اور یہ احسن التفاسیر ہیں اور آیت کریمہ کا بہترین محمل ہیں۔

اس آیت کے بارے میں کوئی محفوظ مرفوع حدیث ہوتی تو حسن بصری جیسا متقی ومتورع عالم کبھی بھی اس سے تجاوز نہ کرتا۔ پس یہ روایت موقوف علی الصحابی ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کعب, وہب بن منبہ جیسے علمائے اہل کتاب سے لی ہے جو کہ مسلمان ہوگئے تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ روایت سمرہ کا مرفوع حدیث ہونا انتہائی مشکوک اور نا قابل قبول ہے۔

واللہ اعلم

آثار صحابہ

حدیث مذکورہ کی بحث سے فارغ ہوکر ابن کثیرؒ نے چند آثار صحابہ ذکر کئے ہیں اثر اول ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت حوا کے ہاں جو اولاد ہوتی تھی تو اسے وہ اللہ تعالی کی عبادت کیلئے خاص کر دیتی تھیں اور ان کے نام عبداللہ

عبید اللہ وغیرہ رکھتی تھیں ۔ یہ ان کے بچے مرجاتے تھے ایک دفعہ آدم وحوا کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا نام ان ناموں کے علاوہ رکھو تو اولاد زندہ رہے گی اب جب بچہ ہوا تو آدم وحوا نے اسکا نام عبدالحارث رکھ دیا ۔ **هوالذی خلقکم الایة** اس بارہ میں نازل ہوئی ۔

اثر ثانی ابن عباسؓ ہی اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت حوا کو شک تھا کہ حمل ہے یا کہ نہیں جب انہیں حمل کا یقین ہو گیا تو دونوں میاں بیوی اللہ تعالی سے ولد صالح کی دعا کرنے لگے اب شیطان ان دونوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جانتے ہو کہ تمہارے ہاں کیسا بچہ پیدا ہوگا کیا جانتے ہو کہ وہ کسی جانور کی شکل کا ہوگا یا انسانی شکل والا پس اس غوی مبین نے انہیں پھسلانا شروع کر دیا جبکہ اس سے پہلے ان کے دو بیٹے فوت ہو چکے تھے لہذا وہ ان سے کہنے لگا کہ اگر تم اپنے بچے کا نام میرے نام پر نہیں رکھو گے تو نہ تو وہ صحیح پیدا ہوگا اور نہ وہ زندہ رہے گا بلکہ پہلوں کی طرح یہ بھی مرجائے گا جس پر انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھ دیا جسکی وجہ سے جعلا لہ شرکاء کے مصداق بن گئے ۔

اثر ثالث ابن عباسؓ فلما آتاھما صالحاً الایة

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ جب آدم وحوا ہمبستر ہوئے اور حمل ٹھہرا تو ان کے پاس ابلیس ملعون آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ہی تمہیں جنت سے نکلوایا تھا اب بھی میری اطاعت کرو ۔ ورنہ میرے شیطانی اثر سے ہونے والے بچے کے سینگ ہونگے جسکی وجہ سے وہ پیٹ پھاڑ کر نکلے گا ۔ میں ایسا ضرور کرونگا بار بار دھمکیاں دیکر انہیں خوفزدہ کر کے بچہ کا نام عبدالحارث رکھنے کی تاکید کرتا رہا لیکن انہوں نے شیطان کی بات نہ مانی اتفاق سے بچہ مردہ پیدا ہو گیا پھر دوبارہ جب حمل ہوا تو ابلیس پھر آ کر حسب سابق دھمکیاں دیکر مطالبہ کرنے لگا لیکن اس کی بات نہ مانی گئی اتفاق سے اس بار بھی بچہ مردہ پیدا ہوا ۔ جب تیسری بار حمل ٹھہرا تو اس دفعہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا اور انہوں نے بچے

کی محبت سے مغلوب ہو کر اسکا نام عبدالحارث رکھ دیا جعلا لہ شرکاء کا یہی مصداق ہے۔

اس کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ اثر ابن عباسؓ سے ایک جماعت نے نقل کیا ہے جیسے مجاہد سعید ابن جبیر, عکرمہ وغیرہ علاوہ ازیں سلف و خلف میں بہت سے مفسرین نے بھی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہی کچھ لکھا ہے۔

امام ابن کثیر کا فیصلہ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن عباسؓ کا یہ اثر اہل کتاب سے ماخوذ ہے کیونکہ ابن عباسؓ بھی یہ اثر ابی بن کعب صحابی سے بیان کررہے ہیں (حضور کی طرف منسوب نہیں کرسکے) لہذا جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ اثر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو اس کے بعد یہ بھی جاننا چاہئے کہ اخبار اہل کتاب کی تین قسمیں ہیں۔

قسم اول جن کی صحت قرآن وحدیث سے معلوم ہو

قسم ثانی جنکا جھوٹا ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہو جائے۔

قسم ثالث جو کہ مسکوت عنہ کے درجہ میں ہیں اس تیسری قسم کے بارے میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **حدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج وھوالذی لا یصدق و لا یکذب**

امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اثر ابن عباسؓ کا تعلق قسم ثانی سے ہے (کیونکہ یہ عصمت انبیا کے مخالف ہونے کی وجہ سے قرآن وسنت کے منافی ہے) جن لوگوں نے اس اثر کو بیان کیا ہے شاید وہ اسے قسم ثالث سے سمجھتے ہیں لیکن اس اثر کا قسم ثالث سے ہونا محل نظر ہے لیکن ہم (یعنی ابن کثیر) تو وہی کہتے ہیں جو کہ حسن بصری کہتے ہیں کہ آیت ھذا جعلا لہ شرکاء سے مراد آدم و حوا نہیں بلکہ ان کی اولاد کے مشرکین مراد ہیں۔

فتعالی اللہ عما یشرکون ابن کثیر صفحہ ۳۵۶ جلد ۲

یہ ہے خلاصہ امام ابن کثیرؒ کے خیالات کا اسی کو اختیار کرنا لازم اور ضروری ہے اور مذکورہ روایات سے احتراز لازم ہے کیونکہ ان آیات کی تفسیر کا سمجھنا ان روایات واھیہ پر موقوف نہیں **واللہ الھادی الی سواء الطریق** ۔

۱۸۔ سفینہ نوح اور اسرائیلیات

واصنع الفلك باعيننا آیت ۳۷۔ سورۃ ھود

کتب تفسیر میں سفینہ نوح کے بارے میں بھی بہت سی عجیب وغریب اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے کہ وہ کشتی کس لکڑی سے بنائی گئی تھی؟ اسکا طول کیا تھا۔ عرض کیا تھا عمق کیا تھا۔ منزلیں کتنی تھیں۔ اسی طرح کشتی کے اندر بعض جانوروں کی پیدائش کے بارہ میں عجیب وغریب خرافات مذکور ہیں حتی کہ بعض راویوں نے تو انتہاء کر دی کہ ان میں سے بعض خرافات کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیا مثلا یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سفینہ کے پر تھے اور پروں کے نیچے ایوان تھا **فقبح الله من نسب مثل هذا الى النبى صلى الله عليه وسلم** اسی طرح بروایت سمرہ بن جندبؓ مرفوعا نقل کیا گیا ہے کہ سام عرب کا باپ، حام حبشیوں کا اور یافث رومیوں کا باپ ہے۔

اور سفینہ نوح کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ جبکہ اونچائی تیس ہاتھ تھی۔ جبکہ ابن عباسؓ سے اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم ملا تو انہوں نے پوچھا یا رب این الخشب لکڑی کہاں سے لاؤں؟ جواب ملا درخت لگائیں جس پر انہوں نے درخت لگائے جو کہ بیس سال میں تیار ہوئے پھر انہوں نے کشتی بنائی جسکی لمبائی چھ سو ہاتھ چوڑائی تین سو تینتیس ہاتھ اور اونچائی ساٹھ ہاتھ تھی اس کے بعد کشتی پر تارکول ملنے کا حکم دیا گیا جس کیلئے اللہ تعالی نے اسپیشل ایک تارکول کا چشمہ جاری کیا جب اس سے فارغ ہوئے تو کشتی کو تین حصوں میں منقسم کر کے تین دروازے لگائے ایک حصہ میں جانور اور درندے ڈالے گئے شیر سے جب باقی جانور ڈرنے لگے تو اس پر اللہ تعالی نے بخار مسلط کر دیا جسکی کی وجہ سے اسے اپنی پڑ گئی اور دروازہ بند کر دیا گیا دوسرے حصے میں پرندے ڈال کر دروازہ بند کر دیا گیا **وغير ذلك**

قارئین کرام۔ خط کشیدہ الفاظ پر غور فرما کر خود فیصلہ فرمائیں کہ یہ ابن عباسؓ والی

روایت درست ہے یا کہ سابقہ روایت کونسی سچی ہے اور کونسی جھوٹی بلکہ یہ اضطراب دہائی دے رہا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے یا متضاد اسرائیلی دفاتر سے ماخوذ ہے۔

ایک اور روایت

حسن بصری سے روایت ہے کہ سفینہ نوح کی لمبائی بارہ سو ہاتھ اور چوڑائی چھ سو ہاتھ تھی اب فیصلہ قارئین کے ذمہ ہے۔

عجائبات

تفسیر ابن جریر میں ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ حواریوں نے عیسیٰؑ سے کہا کہ اگر آپ کوئی ایسا آدمی زندہ کر دیں کہ جس نے سفینہ نوح خود دیکھی ہوتا کہ وہ ہمیں سفینہ کے بارہ میں معلومات فراہم کر سکے جس پر حضرت عیسی اپنے حواریوں کو لیکر ایک ٹیلہ پر پہنچے اور حواریوں سے پوچھا کہ کیا اس ٹیلے کے بارے میں جانتے ہو جس پر حواریوں نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ یہ حام بن نوح کی قبر ہے اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے اس ٹیلہ پر لاٹھی ماری اور فرمایا **قم باذن اللہ** جسکی وجہ سے ایک آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کھڑا ہو گیا جس کے بال سفید ہو گئے تھے حضرت عیسیٰؑ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اس حالت میں فوت ہوا تھا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ میں بوقت وفات جوان تھا اور میرا سر کالا تھا لیکن اب جب مجھے زندہ ہونے کا حکم ملا تو میں سمجھا کہ شاید قیامت قائم ہوگئی قیامت کے دھڑکے کی وجہ سے میرے بال سفید ہو گئے ہیں۔ حضرت نے اس سے سفینہ نوح کے بارہ میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اسکا طول بارہ سو ہاتھ عرض چھ سو ہاتھ تھا اور اس کے تین حصے یا تین منزلیں تھیں ایک حصہ دواب و وحوش کیلئے اور ایک حصہ انسانوں کیلئے جبکہ تیسرا حصہ طیور کیلئے تھا جب جانوروں کی گندگی اور گوبر زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالی نے حضرت

نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم پر ہاتھ پھیریں جس سے خنزیر اور خنزیرنی پیدا ہو گئے اور ان دونوں نے لید اور گوبر کھانا شروع کر دیا اور جب چوہوں نے کشتی کو کاٹنا شروع کر دیا تو اللہ تعالی نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ شیر کی آنکھوں کے درمیان ہاتھ ماریں جس سے بلا اور بلی پیدا ہو گئے جو کہ چوہوں کو چٹ کر گئے ایک اور روایت میں اس کے برعکس یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیر نے چھینک ماری تو اس کے نتھنوں سے بلی اور بلا نکل آئے جنھوں نے نکلتے ہی کارروائی کر ڈالی اور کشتی کیلئے خطرے کا باعث چوہوں کا صفایا کر دیا اور اس طرح ہاتھی کو بھی چھینک آئی جس سے اس کے نتھنوں سے خنزیر اور خنزیرنی نمودار ہو گئے جنہوں نے کشتی میں جمع ہونے والی گندگی کو کھا لیا۔

اسی طرح جب گدھا کشتی میں سوار ہونے لگا تو حضرت نوح نے اسے کان سے پکڑ کر کھینچنا چاہا جبکہ ابلیس اسکی دم کے ساتھ چمٹ گیا حضرت نوح اسے اپنی طرف کھینچتے تھے اور شیطان اپنی طرف جس پر حضرت نوح نے گدھے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا **ادخل ایھا الشطان** چنانچہ گدھا کیا داخل ہوا اس کے ساتھ شیطان بھی چھلانگ لگا کر کشتی میں بیٹھ گیا جب کشتی نے تیرنا شروع کیا تو اس نے بھی کشتی کے ایک کونے میں بیٹھ کر موسیقی کا پروگرام اور گانا بجانا شروع کر دیا حضرت نوح نے اسے دیکھ کر فرمایا ملعون تجھے یہاں آنے کی اجازت کس نے دی وہ کہنے لگا آپ نے انہوں نے پوچھا کب وہ کہنے لگا جب آپ نے گدھے سے کہا تھا ادخل یا شیطان تو اس وقت میں آپ کے حکم سے داخل ہو گیا۔

۔ اسی سلسلہ کی ایک اور بے ہودہ روایت بھی سنیئے کہ بکری نے کشتی میں داخل ہوتے وقت ضد کی جسکی وجہ سے حضرت نوحؑ نے اسکی دم پر مارا جس سے اسکی دم ٹوٹ گئی اور اسکی شرم گاہ ظاہر ہو گئی۔ جبکہ بھیڑ خود بخود داخل ہو گئی جس پر حضرت نے پیار سے اس کی دم پر ہاتھ پھیرا جس سے اسکا ستر برقرار رہا۔

بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ سفینہ نوح بیت اللہ شریف کا پورا ایک مہینہ طواف

کرتی رہی بلکہ عبدالرحمان بن زید بن اسلم نے تو اپنی مخصوص سند عن ابیہ عن جدہ سے مقام ابراہیم پر سفینہ نوحؑ کا دو رکعت نفل پڑھنا ثابت کر دیا ہے۔

لطیفہ

ہم راوی مذکور عبدالرحمان بن زید بن اسلم پر کوئی طویل بحث کرنے کے بجائے صرف ایک لطیفہ پر اکتفاء کرتے ہیں جس سے قارئین کو خود بخود ان کے مقام کا اندازہ ہو جائے گا۔ یہ عبدالرحمان اس جیسے عجائبات نقل کرنے میں بین العلماء مشہور و معروف ہیں امام شافعی کے بقول ایک دفعہ ایک آدمی نے امام مالک کے سامنے ایک منقطع حدیث نقل کر دی جس پر امام مالک نے اس آدمی سے فرمایا کہ عبدالرحمان بن زید کے پاس جاؤ تیری اس منقطع حدیث کو اپنی سند عن ابیہ عن جدہ عن نوح کے ساتھ متصل کر دے گا۔

اگر ان کے تفصیلی حالات جاننا چاہیں تو دیکھئے

الصارم المنکی فی الرد علی السبکی صفحہ ٤٢

اسی طرح یہ بھی منقول ہے کہ جب جودی پر کشتی رکی تو یوم عاشورہ تھا اس دن حضرت نوحؑ کے ساتھ جمیع وحوش و دواب نے شکرانے کا روزہ رکھا

وغیر ذالک من التحریفات والا باطیل

علامہ آلوسی کی سنیئے

علامہ آلوسی رقم طراز ہیں کہ قتادہ و کلبی کی روایت کے مطابق وہ ساگوان کی لکڑی تھی اور یہ درخت خود حضرت نوحؑ نے لگائے تھے جنکی لمبائی چار سو ذراع ہو گئی تھی اور ذراع کندھے تک ہوتا ہے اور درخت چالیس سال لگے رہے اور ایک روایت کے مطابق درخت لگانے کاٹنے اور خشک کرنے پر تقریبا سو سال کا عرصہ لگا جبکہ ابن عباس سے روایت ہے کشتی شمشاد کی لکڑی سے بنی جسے جبل لبنان سے کاٹا گیا تھا۔ اور توراۃ کی روایت کے مطابق سام حام اور یافث تینوں بیٹے

اپنے باپ نوح کے ساتھ لکڑی کاٹنے میں لگے رہے اور ان کے علاوہ بہت سے مزدوران کے ساتھ کام کرتے تھے تین سال میں اسکی تکمیل ہوئی کعب احبار کے بیان کے مطابق سو سال میں اسکی تکمیل ہوئی پھر جس جگہ کشتی بنائی گئی اسمیں بھی متعدد روایات ہیں کوفہ, ہند, ارض جزیرہ, شام وغیرہ

دلچسپ فیصلہ

یہ سب کچھ نقل کرنے کے بعد امام آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ

حقیقت حال یہ ہے کہ میری رائے کے مطابق ان روایات سے بننے والی کشتی سواری کے قابل نہیں کیونکہ اسمیں بہت سے عیوب ہیں جو آدمی فضولیات کے ساتھ دلچسپی نہیں رکھتا اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ صرف اتنا یقین کر لے کہ حضرت نوح نے اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق کشتی بنائی ہے باقی اس کے طول عرض عمق کے بارہ میں اور یہ کہ وہ کس لکڑی کی بنی ہوئی تھی کہاں بنی کتنے عرصے میں بنی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے قرآن کریم احادیث صحیحہ خاموش ہیں لہذا ان کے پیچھے پڑنے کی کوشش نہ کی جائے۔ (روح المعانی صفحہ ۵۰ جلد ۱۲)

خلاصہ کلام یہ کہ جملہ روایات اہل کتاب کے خرافات واباطیل ہیں جو کہ زمانہ جاہلیت میں ان میں شائع ومشہور تھے۔ جب اسلام آیا تو اسلام قبول کرنے والے اہل کتاب نے یہ روایات مسلمانوں میں بھی پھیلا دیں حتی کہ بعض روایات حضورؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کی جانے لگیں کاش کہ کتب اسلام میں ان خرافات کو جگہ نہ ملتی کیونکہ یہ تو اس قابل ہیں کہ

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

الھم اھدنا الصراط المستقیم

۱۹۔قصہ یوسف علیہ السلام اور اسرائیلی روایات

انی رایت احد عشر کوکبا (یوسف)

خرافات اسرائیلیہ کے سلسلہ کی ایک روایت وہ بھی ہے جو کہ گیارہ ستاروں کے ناموں کے بارہ میں بیان کی جاتی ہے کہ ایک بستانی نامی یہودی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے ان ستاروں کے نام بتائیں جنہیں حضرت یوسفؑ نے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جبرئیل نے آ کر آپ کو نام بتلائے جس پر آپ نے اس یہودی کو بلا کر فرمایا کہ اگر میں نام بتا دوں تو کیا اسلام قبول کرو گے۔ اس نے کہا جی ہاں آپ نے یہ نام بتائے مرثان۔ طارق۔ ذیال۔ ذوالکفتان۔ قابس۔ دنان۔ هودان۔ فیلق۔ مصبح۔ فروح۔ فرغ۔ ضیاء۔ نور۔ اس پر وہ یہودی کہنے لگا ای **واللہ انھا اسماء ھا** (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۱۳ جلد ۲)

بظاہر یہ روایت بھی اسرائیلیات میں سے ہے اور حضور علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت غلط و کذب ہے پھر حضرت یوسفؑ نے ستاروں کی صورتیں دیکھیں تھی ان کے نام نہیں بتائے گئے تھے۔ جبکہ تعبیر رویا میں اسماء کوئی عمل دخل بھی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ستارے تو صرف گیارہ تھے جب کہ روایت میں تیرہ نام بتائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس روایت کا مدار ایک راوی حکم بن ظہیر پر ہے جسے تمام آئمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس لئے اکثر نے اسے ترک کر دیا ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ ساقط ہے ابن معین کہتے ہیں لیس بثقة اور مرہ کہتے ہیں لیس بشئ بخاری اسے منکر الحدیث کہتے ہیں اس پر شاید اتنی سخت جرح اس لئے کی گئی ہے کہ یہ اور نقائص کے علاوہ بغض صحابہ کے مرض میں بھی مبتلا تھا کیونکہ اذا رائیتم معاویہ علی منبری فاقتلوہ کہ جب معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو قتل کر دو۔ کا یہی راوی ہے۔ تو ایسے راوی کی بات کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔ ابن کثیر صفحہ ۵۱۳ جلد ۲ میزان الاعتدال صفحہ ۲۶۸ جلد ۱

فیصلہ آلوسی

یہی وجہ ہے کہ امام آلوسی نے یہ بحث ان الفاظ پر ختم کی ہے قال ابوزرعہ وابن الجوزی انہ منکر موضوع تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۷۹ جلد ۱۲

اعاذنا الله من المنکرات والموضوعات

۲۰۔ تفسیر ولقد ھمت بہ وھم بھا اور اسرائیلیات (سورۃ یوسف)

اس مقام پر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اور سیوطی نے درمنشور میں ایسے اسرائیلی مکذوبات کا ڈھیر لگا دیا ہے جو کہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہیں اور ھم یوسف کی وضاحت کرتے ہوئے ایسی ایسی باتیں نقل کر دی ہیں جو نہ صرف عصمت انبیاء کے منافی ہیں بلکہ انہیں تحریر کرتے ہوئے انسان کیا قلم بھی شرمندگی سے جھکا اور ٹوٹا جاتا ہے۔ اگر ہمارا موضوع۔ اسرائیلیات, موضوعات و مکذوبات کو بیان کرنا نہ ہوتا تو ہم ان روایات کو تحریر تو کیا دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے صرف اظہار حق اور ابطال باطل کیلئے سینے پر پتھر رکھ کر چند روایات لکھی جارہی ہیں۔

ابن عباس سے پوچھا گیا کہ ھم یوسف کہاں تک پہنچا تھا تو انہوں جواب دیا کہ وہ شلوار کھول کر مقام خاص پر بیٹھ گئے تھے کہ آواز آئی اے یوسف اس پرندے کیطرح مت ہو کہ جس کے پر تھے جب اس نے بدکاری کی تو اس کے پر چھین لئے گئے۔

اسی طرح برھان کی تفسیر میں عجیب وغریب روایات بیان کی گئی ہیں مثلا جب حضرت یوسف ارادہ کر چکے تو آواز دی گئی انت مکتوب فی الانبیاء وتعمل عمل السفھاء تو تو نبی بننے والا ہے یہ کیا بے وقوفانہ عمل کرنے لگا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ برھان یہ ہے کہ سامنے دیوار پر یا چھت پر اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کی تصویر نظر آ گئی جو کہ اپنی انگلی دانتوں میں دیئے کھڑے تھے

بلکہ بعض واضعین نے تو حد کر دی کہ حضرت یوسفؑ اپنے والد کو اس حال میں بھی دیکھ کر نہیں ڈرے بلکہ حضرت یعقوب کو مارنا بھی پڑا جس کی وجہ سے یوسفؑ کی شہوت انگلیوں کے پوروں سے خارج ہوگئی۔ العیاذ باللہ۔ ان ظالموں نے اپنے اس مکذوبہ کو ثابت کرنے کیلئے دلیل یہ پیش کی ابناء یعقوب میں سے ہر ایک کے بارہ بیٹے تھے مگر یوسفؑ کے گیارہ تھے کیونکہ ایک بیٹے کی منی ان کے

پوروں سے نکل کر ضائع ہوگئی تھی۔

ایک روایت یہ ہے کہ برھان سے مراد قرآن کریم کی تین آیات ہیں جو حضرت یوسف نے دیکھی تھیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ **ما تکون فی شان تا اذ تفیضون فیه**

۲۔ **افمن هو قائم علی کل نفس بما کسبت**

۳۔ **ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة**

حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ آیات ان عربی الفاظ کے ساتھ ہمارے پیغمبر علیہ السلام سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی۔

ایک اور روایت ہے کہ برھان سے مراد عزیز مصر کا خیال ذہن میں آنا ہے۔ ان تمام روایات کا مآل اخبار بنی اسرائیل اور وہ جھوٹ ہیں جو کہ اللہ اور اسکے رسول کے ذمہ لگا دئے گئے ہیں۔ کعب احبار اور وھب بن منبہ جیسے لوگوں نے یہ باتیں بعض صحابہ تابعین کے سامنے بیان کر دیں۔ جس کی وجہ سے یہ روایات عام وشائع ہوگئیں۔

ہمارے اس موقف کی تائید کیلئے وہی ایک روایت کافی ہے جو کہ سیوطی نے الدر المنثور صفحہ ۱۴ جلد ۴ پر درج کی ہے۔

کہ وھب بن منبہ کے بیان کے مطابق جب حضرت یوسفؑ اور زلیخا خلوۃ میں پہنچے تو ان کے سامنے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس پر عبرانی زبان میں یہ آیت لکھی ہوئی تھی۔ **افمن هو قائم علی کل نفس بما کسبت** پھر وہ ہتھیلی غائب ہوگئی اور یہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ پھر دوبارہ ہتھیلی ظاہر ہوئی تو اس پر لکھا تھا **ان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون** پھر یہ ہتھیلی بھی غائب ہوگئی اور یہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر قائم رہے یہاں تک کہ تیسری دفعہ ہتھیلی ظاہر ہوئی تو اس پر لکھا ہوا تھا ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلا پھر ہتھیلی غائب ہوئی اور وہ دونوں اپنے اپنے مقام پر کھڑے رہے یہاں تک کہ چوتھی دفعہ وہ ہاتھ ظاہر ہوا تو اس پر لکھا تھا واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ الا یہ

تب حضرت یوسفؑ دروازے کی طرف دوڑے گو اس روایت کو ڈھالنے والے نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ کر کہ وہ عبرانی زبان میں لکھی ہوئی تھی ایک اشکال سے بچنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام مکمل تیاری کے ساتھ فخذین کے درمیان بیٹھ گئے تھے تو عصمت انبیاء کا کیا مطلب ہوا۔

اسی طرح برہان ربی کی تفسیر میں سابقہ بیان شدہ روایات کو مان لیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوسفؑ کا ارتکاب زنا سے بچنا مقہوراً او مجبوراً تھا نہ کہ خوف الٰہی کی وجہ سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ اگر ایک بدکردار و بداخلاق آدمی بھی اگر بدکاری کے ارادہ کے وقت اپنے باپ کی تصویر دیکھ لے کہ والد اسے اس گناہ سے ڈرا رہا ہے تو وہ رک جائے گا اور ڈر جائے گا تو اس میں یوسف علیہ السلام کی کونسی فضیلت ظاہر ہورہی ہے حالانکہ وہ انبیاء کی اولاد میں سے ہیں اسی طرح انامل کے راستے شہوۃ نکل جانے کے بعد ارتکاب فاحش سے بچنے میں کوئی فضیلت معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہ اجتناب تو مجبوراً و عجزاً ہے کما لا یخفی

پھر ان روایات کے اندر ایسا اختلاف و اضطراب فاحش ہے کہ جس کی وجہ سے ان میں تطبیق و توفیق ممکن نہیں۔ جبکہ ایسا اضطراب وضع و اختلاق کی علامت ہوتا ہے۔ اسی طرح رب العالمین تو ذکر ھم کے بعد یوسف علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں **كذلك لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصين** کیا سابقہ روایات کے مطابق بدکاری کیلئے مکمل تیار ہونے والا اس تعریف کا مستحق ہوسکتا ہے۔ قارئین ہی فیصلہ کریں کہ کیا ہم رب العالمین کی مانیں یا کہ اسرائیلی خرافات کی تائید و تصدیق کریں۔

بلکہ اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا شیطان لعین بھی یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دے رہا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم میں شیطان کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ **قال فبعزتك لاغوينهم اجمعين الا عبادك منهم المخلصين** یا اللہ تیری عزت کی قسم میں انسانوں کو گمراہ کرنے کی ضرور

کوشش کرونگا مگر تیرے مخلص بندے میری دسترس سے دور رہیں گے۔ جبکہ سابقہ آیت میں رب العلمین نے خود یوسف علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا ہے انہ **من عبادنا المخلصین** امام آلوسی فرماتے ہیں اگر کوئی رب کو ماننے والا ہے تو اسے چاہئے کہ یوسف علیہ السلام کے بارہ اللہ تعالی کی گواہی انہ من عبادنا المخلصین مان لے اور اگر کوئی شیطان کا متبع ہے تو شیطان کی یہ گواہی مان لے اور یوسف کی معصومیت کا قائل ہو جائے۔

اسی طرح زلیخا کے گھرانے کا آدمی براۃ یوسف کا اعلان کر رہا ہے کما ھوالظاہر من سورۃ یوسف اور کبھی خود زلیخا بھی کہتی ہے انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین کہ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا ورنہ وہ تو صادقین وصالحین میں سے ہے اور کبھی کہتی ہے **لئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن ولیکونا من الصغرین** اگر اسنے میرے کہنے کے مطابق عمل نہ کیا تو اسے لازما جیل جانا پڑے گا اور یہ صاغرین میں سے ہو جائے گا۔

ان آیات میں خود امراۃ عزیز اپنے جرم کا اور براۃ یوسف کا برملا اعلان کر رہی ہے قارئین کرام۔ آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ان شھادات صادقہ اور اعلانات واضحہ کو مانا جائے یا کہ سابقہ روایات کاذبہ اور اباطیل مخترعہ کو اختیار کیا جائے؟ فیصلہ آپ پر ہے۔

ہمیں افسوس ہے واحدی پر کہ جس نے ان جھوٹی روایات کو بنیاد بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کو مشکوک کرنے کی گھناؤنی کوشش کی ہے اور پھر افسوس ہے ابن جریر طبری پر کہ جس نے روایات مذکورہ اور ان کے راویوں کی تائید کی جبکہ ان کا انکار کرنے والوں کی تردید کی ہے اور ہمیں فخر ہے امام رازی پر کہ جنھوں نے فرمایا کہ واحدی کی سب باتیں فضولیات ہیں نہ تو اس کے پاس کوئی آیت ہے اور نہ ہی قابل اعتماد حدیث بلکہ وہ فرماتے ہیں ان یوسف کان **برئیا عن العمل الباطل والھم المحرم وھذا قول المحققین من المفسرین والمتکلمین وبہ نقول وعنہ نذب** **تفسیر کبیر** صفحہ ۱۱۵ ج ۱۸

امام آلوسی نے بھی امام رازی کی تائید کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو جاہل اور شیطان کے چیلے قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا بدترین گناہ ہے کہ اگر اس کی نسبت کسی انتہائی بدکار اور بدکردار آدمی کی طرف کی جائے تو وہ بھی

اسے اپنے لئے زبردست عار سمجھتا ہے۔

فکیف یجوز اسنادہ الی ھذا لصدیق الکریم

(روح المعانی صفحہ ۱۲/۲۱۵)

اورہمیں تعجب ہے امام ابن کثیر پر کہ ایسے ہر میدان میں بولنے والی شخصیت آج نامعلوم اس مقام پر خاموش کیوں ہے۔اس بحث کوختم کرنے سے پہلے ہم اس مقام کی صرف دوتفسیریں اختصار کے ساتھ نقل کرنا چاہتے ہیں تفصیل کے لئے مطولات کوملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر اول۔ زلیخا چونکہ برے کام کا ارادہ کر چکی تھی اس لئے اس کے ارادے کولام اور قد تاکید کے دوحرفوں کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ولقد ہمت بہ جبکہ یوسف علیہ السلام نے فعل بد کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے عظمت خداوندی کا نشان دیکھ لیا تھا اس لئے ان کے ارادے کو برھان کے ساتھ معلق فرمایا گیا۔یعنی زلیخا تو ارادہ کر چکی تھی ۔ یوسف علیہ السلام بھی اگر برھان رب نہ دیکھتے تو ارادہ کر لیتے امام ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے لولا ان را برھان ربہ شرط موخر ہے اورھم بھا جزائے مقدم ہے قال ابوعبیدہ ھذا علی التقدیم والتاخیر کانہ ارادو لقدھمت بہ ولولا ان را برھان ربہ لھم بھا۔تفسیر جواہر القرآن صفحہ ۵۲۵ جلد۲ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے بیان القرآن للتھانوی وتفسیر عثمانی

تفسیر ثانی ۔ یہ تفسیر وتاویل میں نے اپنے محسن ومربی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب قدس اللہ سرہ سابق مدرس تعلیم القرآن راولپنڈی ودارالسلام سے سنی تھی وہ فرماتے ہیں کہ ھمت بہ میں بہ کی ضمیر کا مرجع یوسفؑ نہیں اور نہ ہی ھم بھا میں بھا کی ضمیر کا مرجع امراۃ عزیز ہے بلکہ بہ کی ضمیر کا مرجع زلیخا کا کلام سابق ہے یعنی ھیت لک ۔ اورھمبھا کی ضمیر مرجع کلمہ معاذ اللہ ہے جوکہ حضرت یوسف نے زلیخا کے جواب میں فرمایا تھا۔ای ولقد ھمت بھیت لک وھم بمعاذ اللہ

اور لولا کا جواب محذوف ہے ای لولا ان رابرھان ربہ لوقع بھا

برھان ربہ

اس سے مراد بقول امام رازی حرمت زنا کی دلیل شرعی ہے جبکہ امام الموحدین رئیس المفسرین مولانا حسینؒ علیؒ الوانی فرماتے ہیں کہ برھان سے مراد استقامت اور ربط القلب ہے کہ اللہ تعالی نے یوسف علیہ السلام کو صلاح وتقوی پر اس قدر محکم ومستقیم فرمادیا کہ ان کے دل میں گناہ کا ارادہ بھی پیدا نہ ہوا۔

جواہر القرآن صفحہ ۵۲۵ جلد ۲

وقیل فی تفسیر البرھان النبوۃ التی اودعھا اللہ فی صدرہ حالت بینہ و بین مایسخط اللہ عزوجل

ایک اور جھوٹ

حضرت یوسف علیہ السلام کی کردارکشی کے درپے لوگوں سے ایک اور جھوٹ بھی منقول ہے اس کی تردید بھی اشد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کے بقول جب حضرت یوسف نے کہا **ذلك ليعلم انى لم اخنه بالغيب** یہ سب تردد میں نے اس لئے کیا ہے تا کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی خیانت نہیں کی تو اس وقت جبرئیل امین نے حضرت یوسف کو ہاتھ مارا اور کہا کہ کیا آپ نے اس دن خیانت نہیں کی جب آپ نے ارادہ بدکاری کے بعد ازار بند کھول لیا تھا۔

اس روایت کے بارہ میں اولاً یہ عرض ہے کہ ہم پہلے اس جیسی روایات کو عقلاً ونقلاً رد کر آئے ہیں کہ یہ اور اس طرح کی جملہ روایات اسرائیلی جھوٹ کا پلندہ ہیں اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔

ثانیاً عرض ہے کہ خود قرآن کریم بھی اس روایت کی تردید کر رہا ہے۔
کیونکہ امام ابن کثیر کے فرمان کے مطابق ذلک لیعلم اور وما ابری نفسی یہ دونوں آیتیں زلیخا کے مقولہ سے ہیں گویا وہ کہ رہی ہے اب حق ظاہر ہوگیا ہے حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے میں اعتراف کرتی ہوں کہ واقعی میں نے ہی اسے پھنسانا چاہا تھا جبکہ وہ اپنی صفائی کا اعلان کرنے میں سچا تھا۔ میں اپنا قصور اس لئے بیان کر رہی ہوں تاکہ میرے خاوند کو معلوم ہو جائے کہ یوسف کی پاکدامنی اور برائی سے انکار کی وجہ سے مجھ سے بھی بدی کا ظہور نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنے آپ کو بری قرار نہیں دیتی۔ کیونکہ نفس امارہ تو برائی کی تمنا کرتا ہے اس وجہ سے میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا۔
لہذا جب یہ حضرت یوسف کا کلام ہی نہیں تو جبرئیل کے لقمہ دینے کا کیا مطلب۔
امام ابن تیمیہ نے بھی ابن کثیر کی تائید کی ہے۔

۱۲۔ قید یوسفؑ اور اسرائیلی روایات

فلبث فی السجن بضع سنین (سورۃ یوسف آیت ۴۲)

اس مقام پر بھی حضرت یوسفؑ کی مدت قید۔ اور طویل عرصہ جیل میں رہنے کے سبب کو بیان کرتے ہوئے بعض مفسرین نے اسرائیل روایات سے اپنی کتب کو داغدار کیا ہے

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایوبؑ سات سال بیمار رہے۔ یوسفؑ سات سال جیل میں رہے جبکہ بخت نصر بادشاہ بھی سات سال مصیبت میں گرفتار رہا۔ (نامعلوم نبیوں کے تذکرے میں دشمن اہل حق بخت نصر کا ذکر کس مناسبت سے ہے)

مالک بن دینار سے منقول ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے ساقی سے شفارش کی درخواست کی تو آواز آئی **یا یوسف اتخذت من دونی وکیلا** ۔کیا میرے سوا کوئی اور کارساز بنا لیا ہے۔ جس پر حضرت یوسفؑ رو پڑے اور عرض کیا کہ شدت غم میں بھول کر میں نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل جیل خانہ میں حضرت یوسفؑ کے پاس گئے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا اے اخ المنذرین آپ خطا کاروں کے درمیان کیسے؟ جبرئیل نے جواب دیا۔ **یا طاھر یا ابن الطاھرین یقراء علیک السلام رب العالمین** ۔یعنی رب العلمین آپ کو سلام کہتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں کہ انسانوں کو سفارشی بناتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہئے تھی۔ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم تجھے متعدد سال جیل میں رکھوں گا۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے پوچھا کہ کیا پھر اللہ تعالی مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔ جبرئیل نے جواب دیا ہاں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ پھر مجھے جیل کی کوئی پرواہ نہیں۔

کعب احبار اس سے بھی لمبی داستان سناتے ہیں کہ جبرئیل نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالی آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ کو کس نے پیدا کیا

ہے۔انہوں نے جواب دیا اللہ عزوجل نے پھر فرشتے نے پوچھا کہ تجھے باپ کا لاڈلا کس نے بنایا۔انہوں نے جواب دیا۔اللہ عزوجل نے پھر سوال ہوا کہ آپ کو کنویں سے کس نے نجاۃ دی۔انہوں نے جواباً کہا۔اللہ نے۔پھر فرشتے نے سوال کیا کہ آپ کو خوابوں کی تعبیر کا علم کس نے دیا انہوں نے جواب دیا اللہ نے پھر فرشتے نے سوال کیا کہ آپ کو سوا اور فحشاء سے کس نے بچایا انہوں نے جواب دیا اللہ نے تو اس پر فرشتے نے کہا کہ پھر آپ نے اپنے جیسے انسان کو شفارشی کیوں بنایا پھر جب سات سال پورے ہو گئے۔کلبی کے بقول یہ سات سابقہ پانچ سالوں کے علاوہ تھے تو کل بارہ سال ہو گئے تو اس وقت اللہ تعالی کی طرف سے رہائی کی صورت بنی کہ بادشاہ وقت نے عجیب وغریب خواب دیکھ لیا

کما ھوا لمشھور

قارئین کرام

ان اسرائیلی روایات میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا طویل عرصہ جیل میں رہنا یہ سزا تھی ان کے اس قول کی جو انہوں نے ساقی سے کہا تھا کہ اذکرنی عندربک اور اس سلسلہ میں ایک مرفوع حدیث بھی بیان کی جاتی ہے جسے ابن کثیر نے ضعیف جداً کہہ کر نا قابل اعتبار قرار دیا ہے۔

ہمارے خیال کے مطابق جملہ مذکورہ کو طول سجن کی وجہ قرار دینا بالکل نامناسب ہے۔زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت یوسف نے اپنے ابتلا کو ختم کرنے کیلئے اس جملہ کو بطور سبب اختیار کیا ہے۔جبکہ اظہار برات اور حصول حق کیلئے اسباب اختیار یہ کو استعمال میں لانا نہ توکل کے منافی ہے اور نہ ہی منصب نبوۃ کے خلاف ہے۔کہ جس کے ارتکاب اور اختیار کرنے پر حضرت یوسفؑ کو جبرئیل سے طعنے سننے پڑے ہوں۔

بلکہ طول سجن ایک ابتلا تھا۔اور ابتلا انبیاء کے حق میں عقوبۃً وسزا نہیں ہوتا

بلکہ رفع درجات کا سبب ہوتا ہے۔ تا کہ وہ دوسروں کیلئے اسوہ ونمونہ بن سکیں۔
اسی لئے آقا مدنی ﷺ نے فرمایا اشد **الناس ابتلاءالانبیاء ثم الا مثل فالا مثل** یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی حدیث مبارک میں یوسف علیہ السلام کو اس امتحان وابتلا میں کامیاب ہونے پر بھر پور داد دیتے ہوئے فرمایا تھا

لو لبثت فی السجن مالبث یوسف لا جبت الداعی (صحیحین)

خلاصہ کلام یہ کہ مدت قید تین سال سے نو سال تک ہوسکتی ہے کیونکہ عربی زبان میں لفظ بضع کا اطلاق تین سے لیکر نو تک ہوسکتا ہے۔ جبکہ حضور ﷺ سے اس بارہ میں کوئی تحدید منقول نہیں ہے۔
اسی طرح ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ لبث فی السجن بطور سزا نہیں تھا بلکہ یہ ایک ابتلا تھا جو کہ رفع درجات وحصول سعادات عظیمہ کا سبب بنا **کماهو الظاهر**

نکاح یوسفؑ مع زلیخا

وہب بن منبہ اور ابن اسحاق کی روایت نے تو زلیخا کو عذراء وبا کرثابت کر کے حضرت یوسفؑ سے نہ صرف نکاح کردیا ہے بلکہ شب زفاف کا دلچسپ مکالمہ بھی نقل کردیا ہے ۔ جبکہ محققین کا فرمان ہے ۔ ھذا شائع عندالقصاص ۔ لا اصل لہ وخبرتزوجھا ایضا مالا یعول علیہ عندالمحدثین ۔ یہ قصہ گو لوگوں کی باتیں ہیں ان کی کوئی اصل نہیں محدثین کے نزدیک یہ باتیں قابل اعتبار نہیں (روح المعانی صفحہ ۵ جلد ۱۳

۲۲۔شجرہ طوبی اور اسرائیلی روایات

الذین آمنو و عملوالصلحت طوبی لھم وحسن مآب(رعد)

اسرائیلیات کے اہم ترین راوی وہب بن منبہ کے حوالے سے لفظ طوبی کی تفسیر میں بہت ہی عجیب داستان ذکر کی گئی ہے آپ بھی سنیئے اورسر دھنیئے

جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبی ہے سوسال بھی اگر سوار اس کے سائے میں چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہیں ہوتا۔اس کی تروتازگی کھلے ہوئے باغ کی طرح ہے۔اس کے پتے بہت ہی اچھے ہیں اس کی شاخیں عنبر ہیں ۔اس کے کنکر یاقوت ہیں ۔اس کی مٹی کافور ہے۔اوراس کا کیچڑ مشک ہے۔اس کی جڑ سے شراب دودھ اورشہد کی نہریں نکلتی ہیں۔اس کے نیچے جنتی بیٹھا کریں گے۔ ایک دن اس کے نیچے بیٹھے ہوئے ہونگے کہ فرشتے ان کے ہاں ایسی اونٹنیاں لیکر آئیں گے کہ جن کی لگامیں سونے کی ہونگی اوران کے چہرے چراغ کی طرح چمک رہے ہوں گے ان کے بال ریشم کی طرح نرم ہونگے اوران پر یاقوت سے بنے ہوئے پالان ہونگے۔جن پر سونا جڑا ہوا ہوگا۔اوران پر ریشمی جھولیں ہونگی

تمہارے پاس رب العلمین کی طرف سے بھجوائی گئی ہیں تا کہ تم ان پر سوار ہوکر دربار الٰہی میں پہنچ کر سلام کرسکو اور زیارت الٰہی سے محظوظ ہوسکو۔ جنتی ان پر سوار ہو جائیں گے۔ وہ انہیں لیکر پرندوں سے بھی تیز چلیں گی۔ اور وہ ساتھ ساتھ چلیں گی۔ اسکے باوجود ان کے آپس میں کان بھی نہیں ملیں گے۔ پوری فرمانبرداری کے ساتھ چلیں گی۔ راستے میں جو درخت آئیں گے خود بخود ہٹ جائیں گے۔ کسی کو اپنے دوست سے علیحدہ نہیں ہونا پڑے گا۔ جب رحمٰن ورحیم کی بارگاہ میں پہنچیں گے تو وہ اپنے وجہ کریم سے پردہ ہٹا دیں گے۔ یہ رب العلمین کا دیدار کرتے ہوئے یوں سلام پیش کریں گے۔ **الھم انت السلام و منك السلام وحق لك الجلال والاکرام** ۔ جواب میں رب العلمین فرمائیں گے۔ **انا السلام و منی السلام و علیکم السلام حقت رحمتی و محبتی مرحباً بعبادی الذین خشونی بغیب و اطاعوا امری** ۔ یہ جواباً عرض کریں گے اے پروردگار ہم نہ آپ کی عبادت کا حق ادا کرسکے اور نہ ہی آپ کی قدر کرسکے لہٰذا ہمیں اپنے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ عبادت وریاضت کی جگہ نہیں بلکہ یہ نعمتوں اور راحتوں کی جگہ ہے۔ عبادت کی تکلیف ختم اور یہ تو مزے لوٹنے کے دن آ گئے ہیں جو چاہو مانگو۔ تم میں سے جو شخص جو مانگے گا اسے وہی دونگا۔ جس پر یہ مانگنا شروع کریں گے۔ سب سے کم سوال کرنے والا کہے گا اے اللہ جو کچھ آپ نے دنیا میں پیدا کیا تھا جس کے حصول کیلئے تیرے بندے لڑتے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ابتدا سے لیکر انتہاء تک دنیا میں جو کچھ تھا مجھے دے دیا جائے۔ ارشاد ہوگا تو نے کچھ نہ مانگا۔ تو نے اپنے مرتبے سے بہت ہی چھوٹی چیز مانگی ہے۔ بہرحال تیری مانگ میں نے دے دی۔ میرے دینے اور بخشش میں کیا کمی ہے۔ پھر ارشاد ہوگا کہ جو چیزیں میرے ان بندوں کے گوشہ خیال میں بھی نہیں آئیں وہ بھی انہیں دی جائیں۔ چنانچہ ان کو دی جائیں گی۔ یہاں تک کہ ان کی خواہشات پوری ہو جائیں گی۔ جو چیزیں انہیں ملیں گی۔ ان

میں ایک چیز وہ تیز رفتار گھوڑے ہونگے کہ ہر ایک پر یاقوتی تخت ہوگا۔ ہر تخت پر سونے کا ایک گنبد ہوگا ہر گنبد میں ایک جنتی بستر لگا ہوا ہوگا جن پر موٹی آنکھوں والی حوریں ہونگی۔ جنہوں نے جنت کے دو دو جوڑے پہنے ہوئے ہونگے۔ ان میں جنت کے تمام رنگ اور خوشبوئیں ہونگی۔ ان کے چہرہ سے اتنی چمک نکل رہی ہوگی کہ محسوس ہوگا کہ یہ قبہ سے باہر بیٹھی ہیں۔ ان کی پنڈلیوں کا گودا باہر سے اس طرح نظر آرہا ہوگا جیسے پروئے ہوئے سرخ یاقوت کا سفید دھاگہ۔ جو کہ یاقوت کی شفافیت کی وجہ سے نظر آرہا ہو۔ وہ اس کی فضیلت کو پہچانیں گی۔ اور وہ انکی فضیلت پہچان لے گا جب یہ ان کے پاس جائے گا وہ اسے سلام کریں گی۔ بوس و کنار کریں گی اور اس چمٹ جائیں گی اور کہیں گی کہ ہمیں تو گمان بھی نہیں تھا کہ خدا تم جیسا خوبصورت خاوند ہمیں دیں گے۔ پھر اس کے بعد بحکم الٰہی سواریوں پر سوار ہو کر صف بندی کے ساتھ جنت میں چلیں گے اور اپنے اپنے محل میں پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد جنت کے محلات۔ غلمان۔ اثمار و دیگر جنتی نعمتوں کا ذکر ہے تفصیل کیلئے دیکھئے (ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر نے یہ اثر درجہ کرنے سے پہلے بھی اسے اثر عجیب و غریب کہا اور اس کے اختتام پر بھی سیاق غریب۔ و اثر عجیب کہہ کر اس کے محل نظر ہونے کا اشارہ دیا۔ ابن کثیر صفحہ ۵۲۴ جلد ۲

قارئین کرام ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے کہ طوبیٰ سے مراد وہی درخت ہو جس کا ذکر ایک صحیح حدیث میں ہے **ان فی الجنة شجرة یسیر الراکب فی ظلها مائة عام لایقطعها** (بخاری) کہ جنت میں ایک درخت ہے کہ اگر سو سال بھی اس کے سائے میں چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو ہمیں جس چیز کا انکار ہے اور جسے ہم خرافات اسرائیلیہ کہنے پر مجبور ہیں وہ وہب بن منبہ یا ان کے پیش رو کے اضافہ جات ہیں۔ احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے ہمیں ان زیادات و اضافات کی کوئی ضرورت نہیں (ھذا ما نقول و نزید)

واضح رہے کہ شجر کے علاوہ طوبیٰ کی تفسیر میں اور بھی اقوال نقل کیے گئے ہیں جو کہ یہ ہیں۔ ابن عباس ,فرحت ,قرۃ عین ,عکرمہ ,نعمتیں ,قتادہ ,طوبیٰ بمعنی حسنیٰ یعنی طوبیٰ ,بمعنی خیر و کرامۃ ہے

۲۳۔افساد بنی اسرائیل اور اسرائیلیات

وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتب لتفسدن فی الارض مرتین تا حصیرا آیات من ٤تا٨

دو دفعہ افساد بنی اسرائیل کی تحقیق اور دونوں مرتبہ ان پر کون مسلط ہوا۔ یہ تحقیق ہماری بحث سے خارج ہے اس کی تحقیق کا دوسرا مقام ہے یہاں ہماری گفتگو کا تعلق صرف ان اسرائیلی روایات کو بیان کرنا ہے جو اس مقام پر کتب تفسیر میں بھر دی گئی ہیں۔ ان روایات کا زیادہ تر موضوع بخت نصر بابلی اور اسکے جنگجو ساتھی ہیں ان کے متعلق ایسے عجائبات و مبالغات بیان کئے گئے ہیں کہ جن کی تصدیق انتہائی مشکل ہے زیادہ تر یہ روایات ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ, ابن مسعودؓ سعید بن جبیر ,سعید بن منسیب سدی اور وھب بن منبہ ابن اسحاق وغیرہ سے نقل کی ہیں جن میں سے اکثر کا تعلق بلا شبہ اکاذیب بنی اسرائیل سے ہے۔ اس لئے اہل اسلام کے لئے ضروری ہے کہ نہ تو اسرائیلیات کو بیان کریں اور نہ ہی ان کے ذریعے قرآن کریم کی تفسیر کریں۔ بلکہ ان اسرائیلی روایات کے ساتھ قرآن کریم کا جمال وجلال متاثر کرنے کے بجائے اللہ تعالی کے بیان کردہ حقائق پر اکتفا کرنا ضروری ہے۔ متقدمین میں سے ابن جریر نے اور متاخرین میں سے صاحب تفسیر مظہری نے ابن اسحاق وغیرہ کے واسطہ سے ایسی روایات بیان کرنے میں صفحات کے صفحات سیاہ کردیئے ہیں۔

من شاء التحقیق فلیر اجع الی التفسیر المظھری

بعض نے اس وقت ظلم کی انتہا کردی جب ایک ایسی روایت کو حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرکے مرفوعا بیان کردیا۔

اس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ کو کہنا پڑا کہ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ایک مطول مرفوع حدیث بیان کی ہے جو کہ سراسر موضوع و من گھڑت ہے اس کے موضوع ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا اور ہمارے استاذ حافظ ابو الحجاج المزی نے بھی اس حدیث کے بارے میں۔ موضوع مکذوب فرمایا ہے اور یہ بات انہوں نے تفسیر ابن جریر کے حاشیہ پر بھی لکھ دی ہے آگے فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اسرائیلی روایات بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے ہم ان کو ذکر کر کے بے فائدہ اپنی کتاب کو طول نہیں دینا چاہتے۔ کیونکہ بعض ان میں موضوع ہیں اور بعض گو ایسی نہیں لیکن الحمد اللہ ہمیں ان اسرائیلیات کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ ہمیں سابقہ تمام کتب سے مستغنی کرنے والی ہے۔ اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں کتب بنی اسرائیل کا محتاج رکھا ہے۔

ابن کثیر صفحہ ۲۹ جلد ۳

اس کے بعد امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیات کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو اللہ تعالی نے ان پر ان کے دشمن مسلط کر دیئے۔ جنہوں نے انہیں خوب مزہ چکھایا۔ ان کے بچوں کو قتل کیا۔ انہیں اس قدر ذلیل کیا کہ ان کے گھروں میں گھس کر انہیں تہس نہس کر دیا اور انہیں سرکشی کی پوری سزا دی۔ کیونکہ بنی اسرائیل نے بھی ظلم و زیادتی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی عوام تو عوام رہے انہوں نے تو نبیوں کو بھی شہید کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور علماء کو بر سر بازار شہید کیا

(ابن کثیر صفحہ ۲۹ و ۳۰ جلد ۳)

یہی حق ہے جو کہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم قصوں میں اشخاص و اماکن کے بیان کا اہتمام نہیں کرتا کیونکہ قرآنی واقعات سے مقصود صرف عبرت تذکیر و تعلیم ہوتی ہے نہ کہ اشخاص و اماکن کا تعارف بس یہ آیات بھی صرف یہی بیان کر رہی ہیں کہ بنی اسرائیل نے دو دفعہ فساد فی الارض کا ارتکاب کیا۔ پہلی دفعہ انہوں نے ظلم و زیادتی کی تو اللہ تعالی نے ان پر ایک ایسے آدمی کو مسلط کر دیا کہ جس نے انہیں ذلیل کیا اور انکے بچوں کو قیدی بنا لیا۔

قرآن کریم کو اس سے سر و کار نہیں کہ مسلط ہونے والا کون تھا بخت نصر تھا یا کوئی کیونکہ اس سے کوئی فائدہ متعلق نہیں پھر جب دوسری دفعہ بنی اسرائیل نے نافرمانی کی تو ان پر ایک ایسا آدمی مسلط کر دیا گیا جس نے انہیں نہ صرف ذلیل کیا بلکہ ان کے چہروں کو بھی مسخ کیا اور مسجد اقصی میں داخل ہو کر اس کی بے حرمتی کی۔ قرآن کو اس سے سر و کار نہیں کہ مسلط ہونے والا طیطوس رومانی تھا یا کوئی اور۔

سیاق قرآنی بتلا رہا ہے کہ یہود فسادی ظالم اور سرکش قوم ہیں جب بھی انہوں نے سرکشی کی تو اللہ تعالی نے اپنے طاقتور بندوں کو ان پر مسلط کر کے انہیں نشان عبرت بنا دیا۔ ان آیات سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ دو دفعہ ذلیل و رسوا ہونے کے بعد ان کا طغیان سرکشی رکی نہیں بلکہ جاری و ساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً رب العلمین ان پر اپنے بندے مسلط کرتے رہتے ہیں جیسے ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیت المقدس کو فتح کروایا اور انہیں ذلیل کیا پھر اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی سے ان شاء اللہ اب پھر وقت قریب ہے کہ جب اللہ تعالی اپنے کسی بندے کو اسرائیل کے صیہونیوں ۔ یہودیوں پر مسلط فرما کر ان کو ذلیل رسوا کریں گے۔ اور بیت المقدس کو ان کے ظالم پنجوں سے آزاد کروائیں گے۔ اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کو کامیابی سے ہم کنار کریں گے۔

اگر عالم اسلام متحد ہو کر پوری تیاری کے ساتھ اللہ تعالی سے مدد مانگ کر جہاد شروع کر دیں تو یہ کوئی مشکل نہیں **لان اللہ تعالی یقول وان عدتم عدنا اللھم حقق لنا ھذا الامر واعنا علیہ**

۲۴۔ قصہ اصحاب کہف اور اسرائیلی روایات

جن قصوں میں مفسرین نے بکثرت اسرائیلی روایات ذکر کی ہیں ان میں سے ایک قصہ اصحاب کہف بھی ہے۔جن کی طرف قرآن کریم اشارہ تک نہیں کرتا۔اور نہ ہی فہم و تدبر قرآنی ان پر موقوف ہے۔زیادہ تر یہ روایات وہب بن منبہ اور ابن اسحٰق سے نقل کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور علامہ سیوطی نے تو اس مقام پر ان روایات سے ورق کے ورق سیاہ کر دیئے ہیں۔کہ اصحاب کہف کون تھے۔ان کا زمانہ کون سا ہے۔کس علاقہ کے تھے۔ان کے نام کیا تھے؟ انکے کتے کا نام کیا تھا؟ قطمیر تھا یا کوئی اور؟ اس کا رنگ کیا تھا پیلا یا سرخ بلکہ ابن ابی حاتم نے تو سفیان سے یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ انہوں نے کوفہ میں ایک آدمی کو دیکھا جس کا نام عبید تھا وہ جھوٹ کی تہمت سے پاک تھا۔اس آدمی نے بتایا کہ میں نے خود اصحاب کہف کا کتا دیکھا ہے۔اس کا رنگ سرخ تھا۔

قارئین کرام اندازہ کیجئے کہ عبید کوفی جھوٹ کی تہمت سے بھلا کیسے پاک ہوسکتا ہے۔حالانکہ جو کچھ وہ بیان کرر ہا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے۔کیا زمانہ اسلام تک اصحاب کہف کا کتا موجود تھا

اسی طرح لفظ رقیم کے بارہ میں عجیب وغریب باتیں ذکر کی گئی ہیں [۱] وہ ایک بستی کا نام ہے [۲] یہ فلسطین کی ایک وادی ہے [۳]۔اصحاب کہف کے پہاڑ کا نام ہے۔حالانکہ بظاہر رقیم بمعنی مرقوم یعنی مکتوب ہے اور اس سے مراد وہ تختی ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھ دئے گئے تھے۔بعض حضرات نے معنی اول کو ترجیح دی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات حق و باطل صدق و کذب کا مجموعہ ہیں قرآن کریم واحادیث صحیح کے ہوتے ہوئے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔اور نہ ہی قرآن کریم کی تفسیر ان پر موقوف ہے۔بلکہ ان سے اعراض واحتراز ضروری ہے

فیصلہ حافظ ابن کثیر

کتب تفسیر میں اصحاب کہف اور ان کے کتے کے جو نام ذکر کئے گئے ہیں ۔ وہ سب محل نظر ہیں ۔ کیونکہ ان میں زیادہ تر باتیں اہل کتاب سے لی گئی ہیں ۔ اسلئے رب العلمین نے اپنے نبی کو بھی فرمایا کہ **فلا تمار فیھم الامراء ظاھراً** کہ ان کے بارہ میں زیادہ بحث ومباحثہ میں نہ پڑیں ۔ کیونکہ اس میں کوئی قابل ذکر فائدہ نہیں ہے آگے فرمایا ولاتستفت فیھم منھم احداً ۔ اور نہ ہی اصحاب کہف کے بارہ میں کسی سے کوئی بات دریافت کیجئے ۔ کیونکہ وہ اکثر اپنی طرف سے ہی بات بنا کر کہہ دیتے ہیں اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک نے جو آپ کے سامنے قصہ بیان فرمایا ہے یہ جھوٹ اور شک وشبہ سے پاک ہے اور یہی کتب اولی واقوال سابقہ سے مقدم ہے ۔

ابن کثیر صفحہ ۸۸ جلد ۳

علامہ آلوسی کا تجزیہ

علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اصحاب کہف کے اسماء کے تعویذ کے جو فوائد ابن عباسؓ سے منقول ہیں ۔ ابن عباسؓ یا دیگر کسی بزرگ سے یہ ثابت نہیں ہیں ۔ شاید یہ خواص وفوائد ان ڈھگ برادران نے گھڑ لئے ہیں جو کہ مشائخ کی ہیئت وصورت اختیار کر لیتے ہیں تاکہ عورتوں اور بے وقوف لوگوں سے پیسے بٹور سکیں ۔ (روح المعانی صفحہ ۲۴۷ جلد ۱۰)

ملحوظہ

قصہ اصحاب کہف کے بارے میں جدید تحقیق جاننے کیلئے مولانا تقی عثمانی کی کتاب جہاندیدہ کا مطالعہ کیا جائے ۔

۴۵۔ذوالقرنین اور اسرائیلی روایات

ویسالونك عن ذی القرنین الآیات (سورۃ کهف)

ان مقامات میں سے جہاں بعض مفسرین نے اسرائیلی روایات سے صفحات کے صفحات کالے کر دیئے ہیں ایک مقام قصہ ذوالقرنین بھی ہے۔ مقدمین میں سے ابن جریر اور متاخرین میں سے صاحب تفسیر مظہری نے تو بڑی ہی سخاوت سے کام لیا۔ مثلاً ابن جریر لکھتے ہیں کہ وہب بن منبہ یمانی جن کے پاس اسرائیلی روایات کا بڑا علم اور خزانہ تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ ذوالقرنین رومی تھا۔ ایک بڑھیا کا بیٹا تھا اس کا نام سکندر تھا۔ اسے ذوالقرنین اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سر کے دونوں طرف تانبا رکھتا تھا۔ جب بالغ ہوا تو انتہائی نیک سیرت تھا۔ اس وقت اسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے ایسی قوموں کی طرف بھیجوں گا کہ جن کی زبانیں مختلف ہونگی اور ان میں سے دو امتیں ایسی ہونگی کہ ان کے درمیان طول ارض کا فاصلہ ہوگا اور دو امتیں ایسی ہونگی کہ ان کے درمیان عرض ارض کا فاصلہ ہوگا۔ اور کچھ قومیں وسط ارض میں آباد ہونگی۔ جن میں جنات انسان۔ اور یاجوج ماجوج ہونگے۔ پھر اس کے بعد وہب بن منبہ نے ان علوم وحکم کا ذکر کیا ہے جو کہ ذوالقرنین کو دئے گئے تھے۔ اور جن اقوام سے ان کا واسطہ پڑا ان کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ اس دوران وہب بعض ایسی باتیں بھی بیان کرتے ہیں کہ عقل ونقل ان کی گواہی نہیں دیتے اور نہ ہی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کو ذوالقرنین (دو سینگ والا) کہنے کی وجہ بیان کرنے میں ایسی بہت سے روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جو کہ تخبط اور تخلط سے خالی نہیں جن کے بارہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **مالا یکاد یصح** اور وہ وجہ تسمیہ کتب تفسیر مثلاً مظہری وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اللہ رحم کرے حافظ ابن کثیر پر کہ جنہوں نے دل ٹھنڈا کر دیا فرماتے ہیں کہ ابن جریر نے ذوالقرنین کے سفر کے متعلق اور دیوار بنانے کے متعلق اسی طرح یاجوج ماجوج کی اشکال صفات اور ان کی لمبائی اور اونچائی کے متعلق اسی

طرح ان کے کانوں کے بارہ میں وہب بن منبہ سے ایک لمبا جوڑا اثر بیان کیا ہے۔ جو کہ عجیب وغریب ہونے کے علاوہ صحت سے کوسوں دور ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتمؒ نے بھی ان مقامات پر بہت سی احادیث غریبہ ذکر کی ہیں۔ جن میں سے کسی کی سند صحیح نہیں ہے۔ ابن کثیر صفحہ ۱۱۸ جلد ۳

اگر فرض کر لیں کہ ان کی سند صحیح بھی ہو تب بھی ان کے اسرائیلی خرافات ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ ایسے بکثرت ہوتا ہے کہ ثقہ اور معتبر لوگ بعض فرضی واقعات اور کہانیاں بیان کر دیتے ہیں۔ سب جانتے ہوتے ہیں کہ یہ واقعات فرضی یا جھوٹ ہیں حالانکہ بیان کرنے والے کو کوئی بھی جھوٹا نہیں کہتا۔ یہی مثال ان صحابہ کی ہے جنہوں نے اسلام لانے والے اہل کتاب سے بعض عجیب وغریب واقعات ان کے نادر اور غریب ہونے کی وجہ سے نقل کر دیئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ واقعات بنی اسرائیل کے قصص باطلہ اور اخبار کاذبہ ہیں۔

کاش کہ یہ اسرائیلی روایات اپنے مورد اور منبع پر بند اور موقوف رہتیں۔ اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتیں۔ لیکن اثم کبیر اور ظلم عظیم تو یہ ہے کہ ان روایات کاذبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کر دیا جائے جیسا کہ ابن جریر نے ایک ایسی ہی روایت اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن عامرؓ سے مرفوعاً ذکر کر دی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور علیہ السلام سے قصہ ذوالقرنین کے متعلق پوچھنے آئی تھی۔ تو آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ تم اس کام کیلئے آئے ہو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ ایک رومی نوجوان تھا۔ اسی نے اسکندریہ شہر بنایا۔ اسے ایک فرشتہ آسمان تک اٹھا کر لے گیا تھا۔ پھر فرشتہ اسے ایک دیوار کے پاس لے گیا۔ پھر فرشتے نے اسے ایک ایسی قوم دکھائی کہ جن کے منہ کتوں جیسے تھے **وغیر ذلک من الخرافات**

فرمان ابن کثیر

حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کی حقیقت سے پردہ ہٹا کر امت پر احسان فرمادیا وہ فرماتے ہیں کہ ابن جریر کی بیان کردہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے اس میں طول اور نکارۃ ہے اور اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ہے **واکثر مافیه انه من اخبار بنی اسرائیل** (ابن کثیر صفحہ ۱۱۲)

اس کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ ہمیں تعجب تو ابو زرعہ جیسے عظیم امام پر ہے۔ جنہوں نے اپنی جلالت قدر کے باوجود یہ پوری کی پوری روایت اپنی کتاب دلائل النبوہ میں درج کر دی ہے جو کہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ حالانکہ اس روایت میں یہ واضح نکارۃ موجود ہے۔

اس روایت میں جو یہ ہے کہ وہ اسکندر رومی تھا صحیح نہیں ہے کیونکہ اسکندر ثانی رومی تھا۔ جو کہ مقدونی کا لڑکا ہے۔ اس سے روم کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ جبکہ اسکندر اول جسے ذی القرنین کہا جاتا ہے یہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں تھا۔ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا ہے آپ پر ایمان لایا تھا۔ اس کے وزیر خضر علیہ السلام تھے جبکہ اسکندر ثانی کا وزیر ارسطا طالیس مشہور فلسفی تھا۔ اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا۔

(ابن کثیر)

ذوالقرنین کون تھے ؟

ہماری ناقص معلومات کے مطابق ذوالقرنین اسکندر رومی مقدونی نہیں ہے کیونکہ تاریخ نے جو کچھ سکندر رومی کے متعلق بیان کیا ہے۔ وہ ان قرآنی آیات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا جو کہ ذوالقرنین کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں

ہمیں تو ذوالقرنین کے بارہ میں بس یہ نظریہ رکھنا چاہئے کہ وہ ایک مومن اور رجل صالح تھے ۔ مشرق ومغرب پر ان کی حکومت تھی ۔ اور اس کی حقیقت وہی ہے جو کچھ قرآن کریم نے بیان کر دی ہے ۔ اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں ۔

یہ تحقیقات کہ ان کی شخصیت کیا ہے نام کیا ہے کہاں تھے کس زمانہ میں تھے ۔ یہ نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی احادیث صحیحہ میں اور نہ ہی ان چیزوں کو بیان کرنا قرآنی موضوع ہے اور نہ ہی ہم یہ جاننے کے مکلّف ہیں واللہ اعلم

سیدنا معاویہ رض اور کعب احبار کا ایک دلچسپ مکالمہ

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ذوالقرنین اپنا گھوڑا ثریا کے ساتھ باندھتے تھے؟ کعب نے جواب دیا کہ اگر آپ کو اس میں شک ہے تو سنیئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **و آتینا ہ من کل شئی سببا** حقیقت یہ ہے کہ اس میں حق حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہے اور ان کا تعجب درست ہے ۔ کیونکہ کعب کو جو کچھ کہیں لکھا ملتا تھا روایت کر دیا کرتے تھے ۔ گو وہ جھوٹ ہی ہو ۔ اس لئے حضرت معاویہؓ کا فرمان ہے کہ ہم کعب سے بارہا جھوٹ کا تجربہ کر چکے ہیں ۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ خود جھوٹ گھڑا کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انہیں جو روایت جہاں سے جیسی بھی مل جاتی بیان کر دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ اسرائیلی خزانوں سے روایات نقل کرتے تھے ۔ جو کہ کذب ۔ تحریف وتبدیل سے محفوظ نہیں تھیں ۔ خصوصاً قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے ہمیں ان کی ضرورت بھی نہیں ہے ۔ افسوس صد افسوس کہ ان اسرائیلی روایات نے بہت سے مسلمانوں کو شر میں ڈال دیا اور ان سے لمبا چوڑا فساد پھیل گیا ۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس اسرائیلی روایت کو ثابت کرنے کیلئے کعب نے جو آیت کریمہ سے

استدلال کیا ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے کسی انسان کو ثریا تک پہنچنے کی طاقت نہیں دی۔ جبکہ بلقیس کے بارہ میں بھی قرآن کریم میں ایسے ہی الفاظ آئے ہیں واوتیت من کل شئی تو بلقیس کے بارہ میں کیا کہنا چاہئے ؟ بلکہ اس سے مراد وسائل واسباب حکومت ہیں ابن کثیر صفحہ ۱۱۳ جلد ۳

واضح رہے کہ کعب رحمہ اللہ کے بارہ میں کچھ تفصیل صفحہ 57 پر گزرچکی ہے۔

قصہ یاجوج ماجوج اور اسرائیلی روایات

قالو ایاذالقرنین ان یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض
(سورۃ کہف) (الآیہ)

اس قصہ کی تفصیلات میں کچھ ایسی روایات بیان کی گئی ہیں جو کہ تخلیق انسانی کے بارہ میں عادۃ اللہ کے سراسر خلاف ہیں۔ اوران میں یاجوج ماجوج کے متعلق عجیب وغریب باتیں بیان کی گئی ہیں۔

جن کے بارہ میں سیوہاروی مرحوم فرماتے ہیں۔

مفسرین اور مورخین اسلام نے رطب ویابس روایات کا وہ تمام ذخیرہ جمع کردیا ہے جواس سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کردیا ہے کہ چند روایات کے علاوہ اس سلسلہ کی تمام روایات خرافات و ہفوات کا مجموعہ ہے جو کہ عقلاً ونقلاً کسی طرح بھی لائق اعتاد نہیں اور اسرائیلیات کا لایعنی طومار ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ ان تمام روایات میں قدر مشترک یہ ہے کہ یاجوج ماجوج ایسے قبائل کا مجموعہ ہیں جو کہ جسمانی اور معاشرتی اعتبار سے عجیب وغریب زندگی کے حامل ہیں مثلاً بالشت ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک ذراع قد رکھتے ہیں ۔اور بعض غیر معمولی طویل القامت ہیں اوران کے دونوں کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک اوڑھنے اور دوسرا بچھانے کے کام آتا ہے۔ چہرے جوڑے چکلے اور قد کے ساتھ غیر متناسب ہیں۔ ان کی غذا کے لئے قدرت سال بھر میں دومرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں نکال کر پھینک دیتی ہے۔ کہ جن کے سراور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس روز وشب اگر کوئی شخص اس پر چلتا رہے تب اس فاصلہ کو قطع کرسکتا ہے۔ یا ایک ایسا سانپ انکی خوراک ہے جو پہلے قرب وجوار کے تمام بری جانوروں کو ہضم کر جاتا ہے۔ پھر قدرت اسے سمندر میں پھینک دیتی ہے اور وہ وہاں میلوں تک بحری جانوروں کو چٹ کرلیتا ہے۔ پھر ایک بادل آتا ہے اور فرشتہ اس عظیم الجثہ اژدھا کو اٹھا کر اس پر رکھ دیتا ہے اور بادل اس کو ان قبائل میں لاکر ڈال دیتا ہے۔ اور یہ کہ یاجوج ماجوج ایک ایسی برزخی مخلوق

ہں جو آدم علیہ السلام کی صلب سے تو ہیں مگر حوا کے بطن سے نہیں ۔

ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ یاجوج ایک الگ قوم ہے اور ماجوج وسری قوم ہے ۔ ہر ایک کی تعداد چار لاکھ ہے ۔ وہ سب اولاد آدم سے ہیں ان ں سے کوئی آدمی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی نسل میں سے ایک رار ایسے آدمی نہ دیکھ لے جو کہ ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوں حضرت حذیفہ کہتے ہں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انکی کچھ اور صفات بیان کیجئے ۔ آپ نے رمایا کہ یاجوج ماجوج تین طرح کے ہیں ۔

ایک قسم تو درخت ارز کے برابر ہے ۔ ان میں سے ہر ایک کا قد ایک سو یں گز ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے سامنے کوئی پہاڑ کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ ہی ۔ ہا دوسری قسم وہ ہے کہ جو کہ ایک کان بچھاتے ہیں اور ایک اوڑھتے ہیں ۔ گزرتا ہوا لوئی ہاتھی ۔ گھوڑا ۔ خنزیر وغیرہ کھائے بغیر نہیں چھوڑتے ۔ اگر ان میں سے بھی لوئی مر جائے تو اسے بھی چٹ کر جاتے ہیں ۔ جب قیامت کے قریب ظاہر ونگے تو ان کا اگلا دستہ شام میں جبکہ پچھلا خراسان میں ہوگا ۔ یہ تمام دریاؤں ور بحیرہ طبریہ (بحر مردار) کو پی جائیں گے ۔

ور تیسری قسم وہ ہے کہ جن کا طول وعرض برابر یعنی تیرہ تیرہ ہاتھ ہوگا ۔

اضح رہے کہ امام سیوطی نے یہ روایت اپنی تفسیر الدر المنثور میں حضرت حذیفہؓ سے رفوعا ذکر کی ہے ۔

جبکہ ابن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات کے اندر اس روایت کو وضوع قرار دیا ہے ۔ اور امام سیوطی نے بھی اپنی کتاب اللالی المصنوعہ فی لاحادیث الموضوعہ صفحہ ۹۰ جلد ۱ ۔ پر ابن جوزی کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے سے موضوع قرار دیا ہے ۔ پھر نا معلوم ایسی روایت کو اپنی تفسیر میں کیوں درج کر دیا ہے ۔

یک طرف تو آپ نے ابھی وہ روایت پڑھی جس میں ان کی ڈیل ڈول کی

ہولناک تصویر پیش کی گئی ہے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یاجوج ماجوج کا قد ایک بالشت یا دو بالشت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی زیادہ ہی قد آور ہو تو اس کا قد تین بالشت ہوتا ہے۔ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ کونسی روایت صحیح ہے اور کونسی غلط ہے۔

ذرا دل تھام کر

اب ایک ایسی روایت پیش کی جا رہی ہے۔ جو کہ دیگر کتب حدیث کے علاوہ ترمذی اور ابن ماجہ کے اندر بھی موجود ہے۔ اس لئے ذرا دل تھام کر پہلے روایت کو پڑھیے پھر اس پر تبصرہ سنیئے۔ ابو ھریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج روزانہ اس دیوار کو کھودتے ہیں۔ قریب ہوتا ہے کہ انہیں سورج کی شعاع نظر آ جائے۔ چونکہ شام ہو چکی ہوتی ہے اس لئے ان کے سردار کا حکم ہوتا ہے کہ اب بس کرو۔ بقیہ کل آ کر توڑ دیں گے۔ لیکن جب وہ دوسرے دن آتے ہیں تو اسے پہلے سے زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ان کا نکالنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو یہ جب اسے کھودتے کھودتے چھلکے کی طرح کر دیں گے تو ان کا بڑا کہے گا کہ اب چھوڑ دو کل انشا اللہ آ کر توڑ ڈالیں گے۔ انشاء اللہ کہنے کی برکت سے صبح جب آئیں گے تو ویسے ہی پائیں گے جیسے چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ فوراً دیوار کو گرا دیں گے۔ اور باہر نکل پڑیں گے۔ تمام پانی پی جائیں گے۔ لوگ ان سے بچنے کیلئے قلعوں میں پناہ گزین ہو جائیں گے۔ پھر یہ اپنے تیر آسمان کے طرف چلائیں گے اوپر سے تیر ان کی طرف خون آلود ہو کر لوٹیں گے۔ جس پر یہ کہیں گے کہ ہم زمین پر غلبہ پالینے کے بعد آسمان والوں پر بھی غالب آ گئے پھر ان کی گردنوں میں پھوڑوں کی وبا پھیلے گی جس کی وجہ سے یہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضورﷺ نے اللہ کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ زمین کے جانوران کا گوشت کھانے کی وجہ سے خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔

اس روایت کی سند جیسی بھی ہو ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ان اسرائیلی روایات میں سے ہے کہ جنہیں یا تو روای کی غلطی اور خطا کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے ۔ یا پھر ایسا کام یہود وغیرہ کرتے ہیں تا کہ پیغمبر اسلام کو مخالف قرآن ثابت کیا جا سکے چنانچہ اس روایت میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے ۔ کیونکہ قرآن کریم تو وضاحت کے ساتھ اعلان کر رہا ہے **فمااسطاعوا ان یظھروہ وما استطاعوا لہ نقبا** کہ نہ تو وہ دیوار پر چڑھ سکیں گے ۔ اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکیں گے ۔ جبکہ یہ روایت کہہ رہی ہے کہ اس سوراخ کر لیں گے ۔

تبصرہ حافظ ابن کثیرؒ کہ یہ حدیث مرفوع کیسے بنی۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مضمون کے لحاظ سے نکارت ہے ۔ اس کو مرفوع کہنا غلط ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی ایک اسرائیلی کہانی کعب احبار سے منقول ہے اس میں بھی یہ سب باتیں اس طرح مذکور ہیں ۔ معلوم کچھ ایسا ہوتا کہ حضرت ابو ہریرہؓ جو کہ اکثر کعب احبار سے اسرائیلی قصے سنا کرتے تھے ۔ اس کو ایک اسرائیلی کہانی کے طور پر پیش کیا ہوگا ۔ جس کو نیچے کے کسی راوی نے یہ سمجھ کر حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے مرفوعاً ذکر کر دیا حالانکہ یہ راوی کا وہم ہے اور کچھ بھی نہیں ۔

آخر میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق جو کچھ میں نے کہا ہے یہ میرا ذاتی خیال نہیں بلکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی یہی فرماتے ہیں ابن کثیر صفحہ ۱۱۷ جلد ۳

واضح رہے کہ امام ترمذی بھی اس حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہذا حدیث حسن غریب انما نعرف من ھذا الوجہ مثل ھذا۔ یعنی حدیث حسن غریب ہے اور ہم اس طریقہ سند سے ایسی عجیب باتیں ہی جانا کرتے ہیں۔

ایک اور اسرائیلی روایت اور اس کا پوسٹ مارٹم

ایک دن آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اسی دوران انہیں احتلام ہوگیا۔ منی خارج ہوکر مٹی کے ساتھ مل گئی۔ جس سے یاجوج ماجوج پیدا ہوگئے۔

اس سلسلہ میں اولاً تو گزارش ہے کہ اس پر تقریباً تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو احتلام نہیں ہوتا کیونکہ احتلام شیطانی اثر کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو شیطانی تسلط سے محفوظ رکھتے ہیں۔

ثانیاً حافظ ابن کثیرؒ اس روایت کے بارہ میں ذکر فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کے ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں جو کہ احتلام کی حالت میں نکلا تھا اور مٹی میں مل گیا تھا۔ جس سے یہ مخلوق وجود میں آگئی اور یہ حضرت کے ہوا کے پیٹ سے نہیں ہیں یہ ایک ایسا قول ہے کہ جس کو علماء نے غلط قرار دیا ہے۔ بلاشبہ یہ قول اس کا حق دار ہے کہ اسے غلط سمجھا جائے۔ کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ نص قرآنی کے بھی خلاف ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ انسانیت کا ہر فرد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۱۰ جلد ۲)

اور اپنی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ ایک انتہائی عجیب و غریب قول ہے جس پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی۔ بعض اہل کتاب نے اس مقام پر جو حکایات بیان کی ہیں۔ کسی طرح بھی ان پر اعتماد کرنا درست نہیں۔ کیونکہ ان کے

پاس اس قسم کی من گھڑت کہانیوں کی کوئی کمی نہیں تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۱٦ جلد ۲۔

پھر اسی صفحہ پر تھوڑ سا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ابن جریر نے اس مقام پر وہب بن منبہ سے ذوالقرنین کی سیاحت اور دیوار کی تعمیر۔ اور اس کی کیفیات کے متعلق ایک عجیب وغریب لمبا اثر نقل کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ وہ ایک طویل اور عجیب وغریب کہانی ہے۔ جس میں یاجوج ماجوج کی شکلوں۔ ان کے لمبا و کوتاہ قد ہونے اور ان کے کانوں کے متعلق عجیب غیر معقول باتیں آ گئی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب علمی دنیا میں یہ بات طے ہے کہ موجودہ دنیائے انسانی حضرت نوح کی اولاد سے ہے تو پھر یہ کہنا کہ یاجوج ماجوج براہ راست آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تو یہ بات قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے۔ اسی لئے بعض علما نے یہاں یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ اگر یہ ذریت نوح میں سے نہیں ہیں تو طوفان نوح کے وقت یہ کہاں تھے۔ اور نص قرآنی کے برعکس یہ کیسے بچ گئے تھے۔

ختامہ مسک۔

حاصل یہ کہ ذوالقرنین یاجوج ماجوج اسی طرح اصحاب کہف یہ ایسے حقائق ہیں کہ کوئی قرآن کو ماننے والا ان کے انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہم جس چیز کے انکار کے درپے ہیں وہ صرف اسرائیلی روایات خرافات واکاذیب ہیں جن کے متعلق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی فرماتے ہیں کہ ان کی (یاجوج ماجوج) نسل بنی آدم کی عام نسل کیطرح ہے اور وہ کوئی عجوبہ روزگار مخلوق نہیں ہیں۔ اور نہ ہی برزخی مخلوق ہیں اور اس قسم کی جو روایات پائی جاتی ہیں ان کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اسرائیلیات کے بے سروپا ذخیرہ کا جزو ہیں اور ان تمام روایات کا سلسلہ کعب احبار پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ جو کہ یہودی النسل ہونے کی وجہ سے ان قصوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح طور پر ان کو سنایا کرتے تھے یا اس لئے کہ اس رطب ویابس میں سے جو دور از کار باتیں ہوں وہ رد کر دی جائیں۔ اور جن سے قرآن واحادیث نبوی کی تائید ہوتی ہو۔ ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے ہوئے اس پورے طومار

کواس طرح نقل کرنا شروع کر دیا جس طرح حدیثی روایات کونقل کیا جا تا ہے۔اگر سلف صالحین اور متاخرین میں وہ بے نظیر ہستیاں پیدا نہ ہوتیں جنہوں نے روایات و احادیث کے تمام ذخیرے کونقد وتبصرہ کی کسوٹی پر پرکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا تو نہ معلوم آج اسلام کوکس قدر بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا

(قصص القرآن صفحہ ۱۸۵ جلد ۳)

ہمارا ایمان

پس ہم قرآنی تصریحات کے مطابق یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ذوالقرنین نے ایک قوم کی شکایت پر یاجوج ماجوج کا راستہ روکنے کیلئے دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور تانبے سے ایک دیوار بنا دی تھی اور فرمایا تھا کہ اب یہ نہ اس دیوار پر چڑھ سکیں گے اور نہ سوراخ کر سکیں گے۔اور یہ دیوار بنانا میرا کوئی کمال نہیں بلکہ رحمت خداوندی ہے۔جب میرے اللہ کا حکم اس دیوار کے توڑنے کے متعلق آ جائے گا تو یہ ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

ملحوظہ۔

وہ دیوار کہاں ہے اور یاجوج ماجوج کے مصداق کونسے قبائل ہیں اس کیلئے دیکھئے (قصص القرآن لحفظ الرحمٰن)

۲۷۔ہدیہ ملکہ سبا برائے سلیمان علیہ السلام اور اسرائیلی روایات

وانی مرسلة الیهم بهدیة فناظرة بم یرجع المرسلون

(سورۃ نمل)

جو تحائف و ہدیات ملکہ سبا نے سلیمان علیہ السلام کو بھیجے تھے ان کے بارہ میں بھی کتب تفسیر میں کثیر تعداد میں اسرائیلی روایات موجود ہیں۔ مثلا وہب بن منبہ کے بیان کے مطابق بلقیس نے پانچ سو ملازم اور پانچ سو باندیاں بھیجیں۔ مردوں کو عورتوں والا اور عورتوں کو مردوں والا لباس پہنا دیا۔ کلائیوں میں سنہری کنگن۔ گلے میں سونے کے ہار۔ کانوں میں بالیاں پہنائیں۔ لڑکوں کو پانچ سو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانچ سو خچروں پر سوار کیا گھوڑے کی لگام پر سنہری جواہر جڑے ہوئے تھے۔ اس طرح پانچ سو انیٹیں سونے کی اور پانچ سو انیٹیں چاندی کی بھیجیں۔ موتی اور یاقوت سے مرصع ایک تاج بھی بھیجا۔ عنبر، عود اور مشک جیسی خوشبوئیں بھیجیں اس طرح ایک قیمتی موتی بلا سوراخ اس کے علاوہ ایک اور موتی ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا ایک ڈبیہ میں ڈال کر بھیجا۔ اپنی قوم کے ایک سردار منذر بن عمرو کے ساتھ چند اور سمجھدار آدمی ملائے اور تحفوں کی ایک لسٹ دیکر حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اور اپنے نمائندہ سے کہا کہ جا کر کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو لڑکیوں کو لڑکوں سے الگ کر دیجیے۔ اور کھولے بغیر بتا دیں کہ ڈبیہ میں کیا ہے۔ اور جب بتا دیں تو کہنا کہ اس موتی میں سیدھا سوراخ کر دیجیے اور سوراخ دار موتی میں دھاگہ ڈال دیجیے۔ کسی آدمی یا جن کی مدد کے بغیر۔ اور سمجھا دیا کہ لڑکے زنانہ لہجہ میں جبکہ لڑکیاں مردانہ لہجہ میں بات کریں۔ قاصد سے مزید یہ بھی کہا کہ خیال کرنا اگر سخت لہجہ کے ساتھ پیش آئیں تو سمجھ لینا کہ بادشاہ ہیں ورنہ وہ نبی مرسل ہیں۔ ادھر ھدھد نے ان کے آنے کی اطلاع حضرت سلیمان علیہ السلام کو دے دی۔

آپ نے جنات کوسونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کرنے کا حکم دیا۔ تعمیل کے بعد فرمایا کہ یہ اینٹیں یہاں سے نو فرسخ تک ایک میدان میں لگادی جائیں۔ اور اس میدان کے گرد ایک سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں۔ پھر پوچھا کہ خشکی اور سمندر میں کونسا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے بعض حاضرین نے عرض کیا کہ ہم نے فلاں سمندر میں کچھ جانور دیکھیں ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے دو بازو اور گردن پر کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں۔ فرمایا ابھی لے آؤ جنات نے فوراً لاکر حاضر کردیئے فرمایا میدان کے دائیں بائیں دونوں جانب سونے چاندی کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو۔ پھر جنات کو حکم دیا کہ اپنی اولاد لاکر میدان کے دائیں بائیں کھڑی کردو۔ اس کے بعد خود ایک تخت پر رونق افروز ہوئے اور دائیں بائیں چار چار ہزار کرسیاں بچھوائیں۔ اور دائیں بائیں میلوں تک شیطانوں کو صف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ جب قاصدوں نے یہ سب کچھ دیکھا تو اپنے تحفے حقیر سمجھ کر وہیں پھینک دیئے **وغیر ذلك من الخرافات**

پھر امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کردیں۔ اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔ فرمایا یہ ڈبہ کہاں ہے۔ جب ڈبہ پیش کیا گیا تو جبرائیل بھی آ گئے۔ ڈبہ کے اندر جو چیز تھی وہ بتلادی جب آپ نے قاصد کو بتلایا تو اس نے آپ کی تصدیق کی۔ اس نے کہا کہ ایک موتی میں سوراخ کردیجئے اور دوسرے میں دھاگہ ڈال دیجئے آپ نے انسان اور جنات سے پوچھا کہ کوئی سوراخ کرسکتا ہے سب خاموش رہے۔ پھر آپ نے شیاطین سے پوچھا تو ایک شیطان نے کہا کہ لکڑی کے کیڑے کو بلائیں حسب الحکم کیڑا آیا اور دھاگہ منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل گیا۔ حضرت نے بطور انعام اس کی روزی لکڑی میں مقرر کردی۔

پھر آپ نے لڑکے اور لڑکیوں کو چھانٹ دیا۔ طریقہ یہ اختیار کیا کہ انہیں منہ دھونے کا حکم دیا۔ لڑکا تو براہ راست برتن سے پانی لیکر منہ پر مارتا تھا جبکہ لڑکی ایک

ہاتھ سے لیکر دوسری پر ڈالتی پھر منہ پر مارتی ۔ بعض روایتوں میں کچھ اور بھی وجوہ تفریق بیان کی گئی ہے ۔ پھر آپ نے تحفے واپس کر دیئے ۔ بعض روایات میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد ایک سو اور بعض میں دو دو سو بھی آئی ہے ۔

علامہ آلوسی کا فرمان ۔

کل ذلك اخبار لایدری صحتها ولا کذبها لعل فی بعضها مایمیل القلب الی القول بکذبه کہ یہ ایسی اخبار ہیں کہ ان کا صدق و کذب معلوم نہیں ہوسکتا البتہ ان کی بعض تفصیلات کی وجہ سے قلبی رجحان ان کے جھوٹے ہونے کا ہے صفحہ ۲۰۱ جلد ۱۹

ہم اس بحث کو بھی حافظ ابن کثیرؒ کے فیصلے پر ختم کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں واللہ اعلم اکان ذلک ام لا واکثرہ ماخوذ من اسرائیلیات ۔ اللہ بہتر جانتے ہیں ان واقعات میں سے کوئی وقوع پذیر ہوا ہے یا کہ نہیں البتہ یہ بات ثابت ہے کہ ان واقعات کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے ۔ صفحہ ۳۹۹ ۔ جلد ۳

قرآن کریم سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے تحائف کی طرف بالکل نہیں دیکھا بلکہ اعراض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس اللہ تعالی کا دیا ہوا تم سے بہت زیادہ ہے تمہیں تحائف نصیب ہوں ۔ اسی پر ہمارا ایمان ہے ۔

۲۸۔قصہ بلقیس ملکہ سبا اور اسرائیلیات

قیل لها اد خلی الصرح الایه (سورۃ نمل)

اسرائیلی خرافات میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارادہ بلقیس کے ساتھ نکاح کا بن گیا آپ کو بتایا گیا کہ اس کے پاؤں گدھے کی طرح ہیں اور اس کی پنڈلیوں پر بڑے بال ہیں۔ جس پر آپ نے ایک خاص طرز پر شیشے کا محل بنانے کا حکم دیا۔ اور اس کے صحن میں شفاف پتھر لگا کر اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا اور اس میں آدمی بھی چھوڑ دئے اور خود تخت پر بیٹھ گئے جب بلقیس آئی اور اس نے صحن دیکھا تو پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا دیا تا کہ پانی میں گھس کر سلیمان علیہ السلام تک پہنچ سکے۔ جب حضرت سلیمان نے دیکھا تو اس کے پاؤں اور پنڈلیاں بہت خوبصورت دکھائی دیں البتہ پنڈلیوں پر بال تھے۔ آپ نے نظر پھیر لی۔ آپ کو پنڈلیوں پر بالوں کی کثرت پسند نہ آئی۔ آپ نے لوگوں سے بال صاف کرنے کی تدبیر پوچھی تو لوگوں نے اس کی تدبیر استرہ بتائی۔ بلقیس نے استرہ استعمال کرنے سے انکار کر دیا کہ استرہ تو کاٹ دیتا ہے۔ پھر آپ نے جنات سے دریافت کیا انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر شیطانوں سے پوچھا گیا چنانچہ انہوں نے نورہ (بال صفا پوڈر) کی ترکیب بتائی جس سے اس کا رواج ہو گیا۔

اسی طرح بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ سے دو سوال کیئے تھے۔ اول یہ کہ مجھے ایسا پانی چاہئے جو نہ زمین کا ہو اور نہ آسمان کا۔ حضرت سلیمانؑ نے جن وانس سے اس کے بارہ میں پوچھا تو وہ جواب نہ دے سکے۔ پھر شیطان نے جواب دیا کہ یہ تو آسان ہے کہ آپ گھوڑے دوڑائیں جب انہیں پسینہ آئے تو اس سے برتن بھر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ثانی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ کیا ہے۔ یہ سوال سن کر گھبراہٹ کی وجہ سے حضرت سلیمانؑ تخت پر کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا یارب اس نے ایک ایسی بات پوچھی ہے کہ جسے زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتا تو اللہ نے یہ بات ان کے ذہن سے بھلا دی۔

حافظ ابن کثیر کا فرمان۔

فرماتے ہیں اس قسم کا طرز روایت حقیقت میں اہل کتاب کے صحیفوں سے ماخوذ ہے۔اور واقعہ کی یہ تفصیلات کچھ اس طرح کی ہیں جیسا کہ کعب احبار اور وھب بن منبہ بنی اسرائیل کے قصے ان کی کتابوں سے نقل کر کے لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔اللہ تعالی ان دونوں کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرے کہ وہ ان قصوں میں عجیب وغریب اور قابل انکار باتیں تحریف ومسخ شدہ ہر قسم کے واقعات نقل کر دیا کرتے تھے۔حالانکہ اللہ تعالی نے ہمیں ان فضولیات ولغویات سے قطعی طور پر مستغنی اور بے پروا کر دیا ہے۔اور ہم کو ایسا علم عطا کر دیا ہے جو کہ واقعات کی صحت۔اچھے مقصد کی افادیت۔مطالب کی وضاحت اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے انتہائی برتر اور بلند ہے۔قلت ھومنکر غریب جدا

ابن کثیر صفحہ ۴۰۳ ج ۳

واللہ الھادی الی سواء الطریق

صحیح تفسیر

حق یہ ہے کہ اس مخصوص محل کی تیاری کا مقصد صرف یہ بات سمجھانا تھی کہ رب العالمین نے مجھے نعمت نبوۃ کے علاوہ ایسا عظیم ملک وسلطنت اور ایسے اسباب ووسائل عطا کئے ہیں جو کہ کسی اور کو حاصل نہیں یہود نے اس کی تعبیر کی جو وجہ بیان کی ہے جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔اللہ تعالی کے پیغمبر سلیمان علیہ السلام کا دامن اس سے پاک ہے۔اس کی حقیقت آپ پر ایک گھناؤنے الزام کے سوا کچھ نہیں ہے

۲۹۔تعیین ذبیح اور اسرائیلی روایات

یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك الایه (الصافات)

کتب تفسیر میں اس مقام پر بھی اسرائیلی روایات کی بھیڑ اور ازدھام شدید ہے۔ جن میں بعض صحابہ اور بعض ایسے تابعینؒ سے جو کہ جدید العہد بالاسلام من اہل الکتاب تھے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بعض مولفین نے تو حضور علیہ السلام سے مرفوع احادیث نقل کر کے اسحاق علیہ اسلام کو ذبیح ثابت کرنے کی فضول سعی کی ہے۔

مثلاً ابن جریر نے حضرت عباسؓ کے واسطہ سے حضور علیہ السلام کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ذبیح اسحاق ہیں۔ جبکہ سند کی حالت یہ ہے کہ اس کا ایک راوی حسن بن دینار ہے جو کہ متروک اور اس کا استاد علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہے اسی طرح دیلمی نے مسند فردوس میں ابوسعید خدریؓ سے اور دارقطنی نے ابن مسعودؓ سے مرفوعاً اسحاق کا ذبیح ہونا بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ احادیث صحیح ثابت نہیں ہیں۔ دیلمی کی احادیث کی حالت معروف ومشہور ہے۔ اس طرح دار قطنی بھی بعض اوقات موضوع احادیث بھی اپنی سنن میں ذکر کر دیتے ہیں۔

طبرانی نے بھی اوسط میں ابو ہریرہؓ کے حوالے سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس سے اسحاق علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ اسی کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم جیسا راوی موجود ہے جو کہ منکرات ,عجائبات نقل کرنے میں اور احادیث گھڑنے میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ مذید تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ نمبر 76

علامہ آلوسی نے یہ تمام احادیث نقل کرنے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ اگر ہمیں اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی ایک حدیث بھی مل جاتی تو ہم اسے دل وجان سے قبول کر لیتے بلکہ فرمایا وضعناہ علی الراس والعین۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سلسلہ کی تمام احادیث ضعیف بلکہ اکثر موضوع اور من گھڑت ہیں (روح المعانی) صفحہ ۱۳۶ جلد ۲۳

جنہیں ہم قبول کرنے سے قاصر ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی تمام مرویات اسرائیلی ہیں جنہیں کعب احبار جیسے نومسلم اہل کتاب لوگوں نے بیان کیا ہے۔ جن سے بعض صحابہ وتابعین نے حسن ظن کی بنا کر یا محض ایک واقعہ کے طور انہیں نقل کر دیا۔ جس سے بعد کے بعض علماء کو دھوکہ لگ گیا اور وہ اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قائل ہو گئے ہیں اور یہی روایات سلف کے اس اختلاف کا سبب بن گئیں کہ ذبیح کون ہے اسحاق یا کہ اسماعیل علیہما السلام

ایسی احادیث گھڑنے کی وجہ

چونکہ یہود اہل کتاب کو قدیم زمانہ سے نبی امی علیہ السلام اور آپ کی عربی قوم کے ساتھ نفرت تھی۔ اسی نفرت کی وجہ سے وہ برداشت نہ کر سکے کہ کہیں اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی وجہ سے نبی آخر الزماں اور آپ کی قوم کو یہ اعزاز حاصل نہ ہو جائے کہ آپ کے جد اعلیٰ کو ذبیح ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے انہوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

تحریف توراۃ

بعض معاصر علماء کی تحقیق کے مطابق یہی ثابت کرنے کے لئے یہود نے توراۃ میں تحریف کی اور اسماعیل علیہ السلام کا نام کاٹ کر اسحاق علیہ السلام کا نام لکھ دیا۔ لیکن توراۃ کا وہی صفحہ ان کے محرف ہونے پر مہر ثبت کر رہا ہے اور ان کے دجل کو واضح کر رہا ہے۔ کیونکہ توراۃ کے الفاظ یہ ہیں فقال الرب خذ ابنک الوحید الذی تحبہ اسحاق۔ یعنی رب نے فرمایا۔ اپنے اس بیٹے کو لے جس سے تو محبت کرتا ہے جو کہ اسحاق ہے۔ حالانکہ اصل عبارت یوں تھی جذ ابنک الوحید الذی

تحبہ اسماعیل اس پر دلیل لفظ وحید ہے۔ (اکلوتا) جبکہ اسحاق علیہ السلام پر لفظ وحید صادق نہیں آتا کیونکہ توراۃ ہی کے بیان کے مطابق جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اسماعیل علیہ السلام کی عمر 14 سال تھی۔تو اسماعیل علیہ السلام کے ہوتے ہوئے اسحاق کیسے اکلوتے ہو گئے۔

قرآنی سیاق وسباق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اولاً قرآن کریم نے فبشرناہ بغلام حلیم تک ولادت اسماعیلؑ کی خوشخبری دی۔ پھر راہ خدا میں ان کے ذبح کے لئے تیار ہونے کا ذکر ہوا۔ یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری ان الفاظ کے ساتھ دی ہے۔

وبشرناہ باسحق نبینا من الصلحین

اسی طرح ان قرآنی الفاظ پر بھی ذرا غور کریں۔ کہ بشارت اسحاق کے بعد فرمایا ومن وراء اسحاق یعقوب۔یعنی حضرت اسحاق کے ہاں بعد یعقوب پیدا ہونگے۔تو جب ان کی نسل جاری رہنے کا علم پہلے ہی کروایا جاچکا ہے تو اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا پس یقیناً ذبیح اسماعیل ہی ہے اس لئے اللہ تعالی نے ان کی صفت حلیم یعنی بردبار ذکر کی جو کہ ذبح ہونے کے لئے انتہائی مناسب ہے۔ابن کثیر صفحہ ۱۶ جلد ۴

ایک اور انداز سے

قرآن وحدیث کے علاوہ توراۃ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ذبح کا یہ واقعہ فاران یعنی مکہ کے علاقہ میں پیش آیا اسی لئے سعی بین الصفا والمروہ بیئر زم زم منی کی قربانی رمی جمرات یہ سب اسی واقعہ کی یادگاریں ہیں۔اور یہ بات زمانہ جاہلیت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ مکہ میں حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ رہائش پذیر تھے نہ کہ اسحاق علیہ السلام اور ان کی والدہ بلکہ وہ شام

میں قیام پذیر تھے پس معلوم ہوا کہ اسحاق علیہ السلام ذبیح نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کی صفت حلیم کے بجائے علیم ذکر کی ہے۔

جمہور امت کا عقیدہ

ان اسرائیلی روایات کو دیکھ کر گو بعض علماء مثلاً سیوطی قرطبی اور ابن جریر وغیرہ شک میں مبتلا ہوئے ہیں مگر جمہور صحابہ و تابعین اور آئمہ کرام کا مذہب و عقیدہ یہی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی عقیدہ زمانہ جاہلیت سے نسلاً بعد نسل تواتر سے منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

یا ابن الذبیحین

عبداللہ بن سعید کا بیان ہے کہ ہم ایک دفعہ حضرت معاویہؓ کی مجلس میں موجود تھے کہ بحث چھڑ گئی کہ ذبیح کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا ہوا کہ یہ بحث مجھ جیسے باخبر آدمی کے سامنے چھڑی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہم ایک دفعہ حضور علیہ السلام کے پاس موجود تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا اے دو ذبیحوں کے بیٹے مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دیجیئے۔ یہ سن کر آپ مسکرا دیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے پوچھا گیا۔ یہ دو ذبیح کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا ایک اسماعیل ہیں اور دوسرے آپ کے والد گرامی عبداللہ ہیں اور عبداللہ کے ذبیح ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ جب بند شدہ بئر زم زم کو آپ کے دادا عبدالمطلب نے کھودنا شروع کیا تو یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ زم زم کا کنواں میرے ہاتھ سے دوبارہ جاری کروا دیں تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ذبح کر دونگا جب کنواں جاری ہو گیا اور تعیین ذبیح کے لئے قرعہ اندازی کی گئی تو آپ کے والد عبداللہ کے نام قرعہ نکلا تو انکے ننھیال نے کہا کہ آپ عبداللہ کی طرف سے سو اونٹ ذبح کر دیں۔ چنانچہ وہ ذبح کر دیئے گئے۔ گو

اس روایت کو امام ابن کثیر نے غریب جدا کہا اور علامہ آلوسی نے بھی اس پر تنقید نقل کی ہے۔ لیکن روایت کے اس حصے کی صحت میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں جس سے قرآنی عقیدہ کی تائید ہوتی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

شهد شاهد من اهلها

اب اپنوں کی گواہی سنیئے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن کعب القرظی سے حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر یہ استدلال بارہا سنا کہ قرآنی سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اسماعیل ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مذبوح کے قصہ سے فارغ ہو کر فرمایا ہے کہ بشرناہ باسحٰق بنیا من الصالحین سورۃ الصافات) اور دوسرے مقام پر فرمایا فبشرناھا باسحٰق و من وراء اسحٰق یعقوب (سورۃ ھود)

یعنی قصہ ذبیح کے بعد ابراہیم کو بیٹے اسحٰق کی خوشخبری دی گئی اور اسحٰق کے بیٹے یعقوب کی بھی خوشخبری سنا دی گئی۔ اگر اسحاق علیہ اسلام کے لئے اگر ذبیح کا حکم دینا تھا تو پھر ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری سمجھ نہیں آتی۔ پس لازماً ماننا پڑے گا ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی ہے۔ ایک دفعہ محمد بن کعب نے اپنا یہ استدلال خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بیان کر دیا تو اس پر عمر بن عبدالعزیز نے فریا ما کہ گو میرا عقیدہ اسماعیل کے ذبیح ہونے کا ہے لیکن میرا ذہن اس استدلال تک نہیں پہنچا تھا واقعی یہ ایک واضح دلیل ہے۔ پھر اسی وقت حضرت عمر بن عبدالعریز نے ایک ایسے آدمی کو بلایا جو کہ شام میں ایک یہودی عالم تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ جب وہ آ گئے تو محمد بن کعب کی موجودگی میں عمر بن عبدالعزیز نے اس عالم سے پوچھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے ذبیح کون ہے تو اس نے قسم اٹھا کر جواب دیا کہ وہ اسماعیل ہیں۔ اور یہودی بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں لیکن صرف اس حسد کی وجہ سے کہ کہیں یہ شرف اہل عرب کو حاصل نہ ہو جائے کہ ان کے

ابا صابر، حلیم اور ذبیح جیسی صفات عالیہ سے متصف تھے۔ اس لئے ان کا گمان ہے کہ ذبیح ان کے ابا اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ لھذا اپنوں کی گواہی سے بھی ثابت ہو گیا کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

ابن کثیر صفحہ ۲۰ جلد ۴

اس پوری بحث و تمحیص کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں اور اس کے علاوہ حضرت اسحٰق کے ذبیح ہونے کے متعلق جو روایات ہیں اگر وہ مرفوع ہیں تو پھر یا تو وہ موضوع ہیں یا پھر انتہائی ضعیف ہیں کہ جن سے احتجاج ممکن نہیں۔ اگر وہ صحابہؓ یا تابعین کے اقوال ہیں تو اگر ان کے سند صحیح بھی ہے تب بھی انکا تعلق ان اسرائیلی روایات سے ہے کہ جنہیں نو مسلم اہل کتاب بیان کرتے رہتے تھے۔

حافظ ابن کثیر

حافظ ابن کثیر کے خیال کے مطابق ان تمام روایات کے مرکزی راوی کعب احبار ہیں۔ جو کہ خلافت فاروقیہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور کبھی کبھی حضرت عمرؓ کو بھی سابقہ کتب کی باتیں سنایا کرتے تھے۔ جس سے لوگوں نے اسے رخصت و اجازت سمجھ کر ان کی ہر بات صحیح اور غلط میں فرق کئے بغیر آگے نقل کرنا اور بیان کرنا شروع کر دی جس کی وجہ سے ایسی روایات اسلامی ذخیرہ میں شائع ہو گئیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس امت کو سابقہ کتابوں کی ایک بات بلکہ ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں

ابن کثیر صفحہ ۱۹ جلد ۴

حسبنا کتاب ربنا و سنۃ ونبینا
اللھم امتنا علیھما آمین

۳۰۔ الیاس علیہ السلام اور اسرائیلی روایات

وان الیاس لمن المرسلین (الصافات)

کتب تفسیر میں حضرت الیاس علیہ السلام کے حوالہ سے بھی وہب بن منبہ کعب احبار اور حسن بصری سے متعدد روایات مشہور ہیں۔ جن میں سے کچھ آپ کے سامنے ذکر کی جاتی ہیں۔ تاکہ ان سے اجتناب کیا جا سکے۔

مثلاً کعب احبار کہتے ہیں کہ چار نبی آج تک زندہ ہیں ان میں سے دو دنیا میں ہیں یعنی الیاس و خضر علیہما السلام، اور دو آسمان پر ہیں جو کہ عیسیٰ و ادریس علیہما السلام ہیں۔

اور وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ مجھے میری قوم سے نجاۃ عطا فرما۔ جواب ملا کہ فلاں دن کا انتظار کرو۔ اس دن آپ کے پاس آگ کے رنگ والی ایک سواری آئے گی۔ اس پر فوراً سوار ہو جانا۔ وعدہ کے مطابق اس دن آتشیں رنگ کا گھوڑا آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ جس پر آپ فوراً سوار ہو گئے اور آپ کو آسمان پر پہنچا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پر لگا دیئے ہیں۔ اور نور کا لباس پہنا دیا ہے۔ اور آپ سے کھانے پینے کی لذت منقطع کر دی ہے۔ اور ان کو ملکی انسان بنا دیا ہے۔ گویا کہ وہ ارضی انسان بھی ہیں اور سماوی فرشتے بھی۔ (ابن کثیر مظہری)

حسن بصری سے منقول ہے کہ الیاس اور خضر علیہما السلام دونوں ماہ رمضان بیت المقدس میں گزارتے ہیں اور حج کے موقعہ پر دونوں مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔ الیاس بیابانوں اور خضر سمندروں کی ڈیوٹی پر مقرر ہیں۔ (الیاس جنگلوں میں بھولے بھٹکے کی رہنمائی کرتے ہیں اور خضر بحری مسافروں کی مدد کرتے ہیں)۔

(مظہری۔ روح المعانی)

کعب کہتے ہیں کہ الیاس پہاڑوں اور میدانوں میں رہتے ہیں ان کا سر موٹا پیٹ چھوٹا۔ پنڈلیاں باریک تھیں۔ اللہ تعالی نے انہیں ارض شام کی طرف اٹھالیا تھا۔ نہ کہ آسمانوں پر۔ انہیں کا نام ذوالنون ہے۔ (الدر المنثور صفحہ ۲۸۰ جلد ۵)

قارئین کرام یہ سب اسرائیلی روایات ہیں جن کا تضاد آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے۔ کعب کہتے ہیں کہ آسمانوں پر نہیں اٹھائے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ یہی ذوالنون ہیں۔ جبکہ وہب کے بقول وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور اب ان کا شمار فرشتوں میں ہوتا ہے۔ بعض روایات میں انہیں خضر قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض میں اس کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ بعض روایات میں تو یہاں تک موجود ہے کہ اللہ تعالی نے تین سال تک کے لئے ساری مخلوق کی روزی کا ذمہ دار انہیں بنایا تھا۔ **وغیرہ ذلک من الکفریات**

بعض کذابین نے تو حد کر دی اور اسرائیلی اکاذیب کو پیغمبر اسلام کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا شروع کر دیا اور الیاسؑ کی حضور کے ساتھ ملاقات کروادی وہ اسطرح کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے اللہ مجھے امت محمدیہ میں سے بنا دے جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک تین سو گز یا اس بھی زیادہ قد کا آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے جواب دیا خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے پوچھا کہ حضور کہاں ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ وہ یہاں آپ کا کلام سن رہے ہیں۔ تو اس آدمی نے مجھے کہا کہ جاؤ اور جا کر عرض کرو کہ آپ کا بھائی الیاسؑ آپ کو سلام کہتا ہے۔ میں نے حضور علیہ السلام کو اطلاع دی چنانچہ اس پر باہم ملاقات ہوگئی اور بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگ گئے حضرت الیاسؑ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں سال میں صرف ایک دن کھاتا ہوں اور آج میرے کھانے کا دن ہے۔ آج دونوں مل کر کھائیں گے۔ آسمان سے ایک دستر خوان اترا جس پر روٹی اور مچھلی تھی۔ چنانچہ دونوں نے کھانا کھایا۔ اور عصر کی نماز پڑھی پھر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کیا۔ تو وہ ہمارے سامنے آسمان کی طرف چڑھ گئے۔

پھر تصحیح کرنے والوں نے تصحیح بھی کر دی کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے اللہ رحم کرے امام ذہبی پر کہ وہ فرماتے ہیں **بل هو موضوع قبح الله من وضعه وما كنت احسب ۔۔ ان الجهل يبلغ بالحاكم ان يصحح مثل هذا**

روح المعانی صفحہ ۱۳۹ جلد ۲۳

کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔ جس نے یہ حدیث گھڑی ہے اللہ تعالی اسے ذلیل ورسوا کرے۔ میرا تو گمان بھی نہیں تھا کہ جہالت حاکم یہاں تک پہنچے گی کہ وہ اس جیسی من گھڑت روایت کو صحیح حدیث رسول کہہ دیں گے۔

ملحوظہ اگر تفصیلی روایات دیکھنی ہوں تو تفسیر مظہری کا مطالعہ کیجیئے

۳۱۔قصہ داود علیہ السلام اور اسرائیلی روایات

وھل اتاک نبا الخصم تا وحسن مآب (سورۃ ص)

اس مقام کی اہمیت کے پیش نظر پہلے آیات کا خلاصہ لکھا جاتا ہے۔ پھر اسرائیلی روایات اوران کا رداور آخر میں صحیح تفسیر۔

خلاصہ آیات

صرف یہ ہے کہ ایک دن داؤد علیہ السلام اپنے عبادت خانہ میں مصروف عبادت تھے کہ اچانک دوآدمی دیوار پھاندکرآپ کے پاس پہنچ گئے ۔داؤدعلیہ السلام اپنی شاہانہ شان وشوکت کے باوجود یہ ماجرادیکھ کرگھبراگئے کہ یہ انسان ہیں یاکہ کوئی اورمخلوق اگرانسان ہیں تو ایسے غلط طریقے سے اندرآنے کی ہمت کیسی ہوئی نامعلوم یہ کس نیت سے اندرآئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان خیالات کی وجہ سے عبادۃ میں یکسوئی نہ رہ سکی۔ یہ گھبراہٹ دیکھ کرآنے والوں نے کہاکہ آپ گھبرائیے نہیں اورنہ ہی ہم سے ڈریئے۔ ہم تو ایک کیس کا فیصلہ کروانے کیلئے آپ کی خدمت میں آئے ہیں۔ پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمادیجئے۔ دعوی یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں اورمیرے پاس صرف ایک دنبی ہے یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی چھین کراپنی سوپوری کرلے اورمشکل یہ بن گئی ہے کہ یہ مال ودولت کی طرح بات کرنے میں بھی مجھ سے فائق اورآگے ہے حضرت نے دعوی سننے کے بعدفرمایا کہ اس کا یہ مطالبہ ظالمانہ ہے اس کے بعدداؤدعلیہ السلام کوخیال آتا ہے کہ یہ واقعہ ایک فتنہ اورامتحان تھا ۔اس لئے اپنی خطا معاف کروانے کیلئے فوری سجدہ میں گرپڑتے ہیں آخراللہ تعالی نے وہ خطا معاف کردی۔ یہ ہے آیات کا مختصرخلاصہ۔

چونکہ قرآن و حدیث میں نہ لغزش اور خطا کی تعیین ہے اور نہ دیوار پھاند نے والوں کی۔ اس لئے اس مقام پر مفسرین کے تین گروہ بن گئے۔ اول وہ کہ جس نے اسرائیلی روایات وخرافات کو بنیاد بنا کر ایسے واقعات اور باتیں لکھ دیں ہیں۔ جو کہ نبی تو کیا ایک عام مومن کی شان کے بھی مناسب نہیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے کہ جس نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن وحدیث اس بارے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی خاموش رہنا چاہئے۔ جو کچھ قرآن وحدیث میں آ گیا ہے اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔ جیسے حافظ ابن کثیر وغیرہ۔

اور تیسرا گروہ وہ ہے جو کہ حتی الامکان اسرائیلی روایات سے بچتے ہوئے اس واقعہ کی بعض جزئیات اور تفصیلات بیان کرتا ہے تاکہ قرآنی اجمال کی کچھ وضاحت ہو جائے۔

جس گروہ نے ان دونوں چیزوں کی تعیین اسرائیلی روایات سے کرنے کی کوشش کی ہے تو ان خرافات کا حاصل یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک دن چھت پر گئے تو اپنے ایک امتی کی بیوی پر نظر پڑ گئی۔ بے پناہ حسن و جمال کی وجہ سے اس سے محبت ہو گئی۔ چنانچہ اوریا نامی اسکے خاوند کو جہاد پر بھیج کر حیلے بہانے سے مروادیا۔ اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اس پر اللہ تعالی نے فرشتے بھیج کر انہیں اس پر متنبہ فرمایا خلاصہ یہ کہ آنے والے فرشتے تھے اور فتنہ بہانے سے امتی کی بیوی سے شادی کرنا تھا

محقق مفسرین کا رد عمل

حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ ایک عظیم الشان پیغمبر پر بہتان عظیم ہے اور ان کی شان رفیع کے بالکل خلاف اور منافی ہے ایسی حرکت تو ایک کامل مومن سے بھی سرزد نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ ایک پیغمبر اس کا ارتکاب کرے چونکہ ان خرافات کو مان لینے کی وجہ سے امت مسلمہ کے عقیدہ عصمت انبیا پر زد

پڑتی ہے اس لئے تمام محقق علماء نے انہیں مردود قرار دیا ہے۔

فرمان علیؓ

سب پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان سنیئے وہ فرماتے ہیں قصہ خواں حضرات کی طرح جو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ قصہ بیان کرے گا میں اسے ایک سو ساٹھ درے مارونگا اور یہ انبیاء علیم السلام پر الزام لگانے کی سزا ہے۔ خازن صفحہ ۳۴ جلد ۴ روح المعانی صفحہ ۱۸۵

فرمان قاضی عیاضؒ

قاضی صاحب اپنی شفا میں فرماتے ہیں اہل کتاب جو کہ محرف و مبدل ہیں ان کی روایات کی طرف توجہ نہ دی جائے ۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں اس سلسلہ میں کوئی نص نہیں ولیس فی قصہ داؤ خبر ثابت

الشفاء بالتعریف بحقوق المصطفی صفحہ ۱۵۷ جلد ۲

حافظ ابن کثیرؒ

اس سے بھی بڑھ کر ظلم یہ ہوا کہ بعض وضاعین اور جعل سازوں نے اس مضمون کی ایک روایت بواسطہ حضرت انسؓ مرفوعاً نبی معصوم سے بیان کر دی یہ روایت تفسیر مظہری میں بھی دیکھی جا سکتی ہے ۔ اس لئے حافظ ابن کثیر کو اس روایت اور اسی مضمون کے دوسرے آثار و حکایات کے بارہ میں کہنا پڑا

وقد ذکر المفسرون ھھنا قصۃ اکثر ھا ماخوذۃ من اسرائیلیات ولم یثبت عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ

یعنی اکثر مفسرین نے یہاں ایک قصہ ذکر کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے ۔ نبی معصوم سے اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں کہ جس کا اتباع واجب ہو۔

ابن کثیر صفحہ ۳۳ جلد ۴

اسی طرح صاحب تفسیر مظہری ,خازنؒ ابوحیان ,امام آلوسیؒ اورامام رازیؒ سب انہیں جھوٹ ۔ قصہ خوانوں کی ہرزہ سرائی اور منصب نبوۃ کے منافی قرار دیتے ہیں۔

یہود کی حضرت داودؑ کے ساتھ دشمنی کی وجہ

قرآن کریم اگر داوٗد علیہ السلام کو صاحب شوکت وصولت بادشاہ مانتا ہے۔تو ساتھ ساتھ جلیل القدر پیغمبر اور رسول بھی تسلیم کرتا ہے۔لیکن توراۃ توان کو صرف کنگ داوٗد یعنی بادشاہ ہی تسلیم کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ توراۃ کا انکار تحکم اور بے سروپابات ہے۔اور کذب وافترا پر مبنی ہے (قصص القرآن)

شاید کہ اس کی وجہ وہ ہو جو کہ علامہ نیلوی نے بدر منیر صفحہ ۱۵۱ پر بیان کی ہے کہ درحقیقت توراۃ کے ضمیمہ میں داوٗد علیہ السلام کے حالات میں اس قصہ کو یہود کے کسی عالم نے جس کو طالوت کی جنگ کی وجہ سے حضرت داوٗد علیہ السلام سے دشمنی تھی بڑھایا اس طرح یہ قصہ مسلمانوں میں بھی مشہور ہو گیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس قصہ کو گھڑنے والے حضرات داوٗد علیہ السلام کو نہ تو نبی ماننے کیلئے تیار ہیں اور نہ ہی وہ ان کے دوست ہیں بلکہ بدترین دشمن ہیں جیسا کہ اس قصہ سے آشکارا ہورہا ہے۔ **قاتلهم الله انى يوفكون**

صحیح تفسیر کیا ہے ؟۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔کہ اگر یہ اسرائیلی واقعات ان آیات کی تفسیر نہیں بن سکتے تو پھر صحیح تفسیر ہے کیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں متعدد تفسیریں کتب تفسیر میں منقول و مذکور ہیں ہم ان میں سے صرف تین تفسریں ذکر کئے دیتے ہیں۔

تفسیر اول

دیوار پھاند کر آنے والے انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے جنہیں حضرت داوٗدؑ کے امتحان کیلئے بھیجا گیا تھا۔انہوں نے جو کیس پیش کیا وہ حقیقی نہیں بلکہ فرضی تھا

جبکہ حضرت داؤد نے انہیں انسان خیال کرتے ہوئے کیس کو حقیقی سمجھا اور مدعی علیہ کو صفائی کا موقع دیئے بغیر یک طرفہ فیصلہ سنا دیا۔ یہی لغزش تھی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ فیصلہ سننے کے بعد دونوں سائل ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے ہیں اور پھر ان کے سامنے آسمان پر چڑھ گئے ہیں تو اب سمجھے کہ یہ تو اللہ تعالی کی طرف سے ایک ابتلا تھا۔ جس میں مجھ سے لغزش ہوگئی ہے۔ اس لئے فوراً سجدہ میں گر کر معافی مانگنے لگے چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی لغزش معاف کر دی اور وہ ہمارے نہایت ہی مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں۔ ہمارے یہاں ان کا انجام عمدہ اور مقام بہت بلند ہے۔

(روح المعانی۔ قرطبی)

اسی توجیہ کو رئیس المفسرین امام الموحدین مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ نے بلغۃ الحیران صفحہ ۲۸۶ پر ترجیح دی ہے خلاصہ یہ کہ اس توجیہ کے اعتبار سے آنے والے فرشتے تھے اور مدعی علیہ کا موقف سنے بغیر فیصلہ دینا یہ لغزش تھی۔

تفسیر ثانی

یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ کہ داؤد علیہ السلام کو یہ امتحان عجب کی وجہ سے پیش آیا صورت یہ پیش آئی کہ ایک دفعہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ رات اور دن کی کوئی گھڑی ایسی نہیں کہ جس میں میرے گھر میں کوئی نہ کوئی آدمی آپ کی عبادت میں مشغول نہ رہتا ہو کیونکہ داؤد علیہ السلام نے ایک نظام الاوقات کے تحت عبادت واذکار ذکر و تسبیح کے لئے ایسی باریاں مقرر کی ہوئی تھیں کہ عبادت خانہ کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہ رہنے پائے۔ اللہ تعالی کو یہ بات پسند نہ آئی۔ تب یہ ابتلا پیش آیا کہ بڑے بڑے پہروں اور انتظامات کے باوجود چند افراد نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہوکر داؤد علیہ السلام کو پریشان کر دیا۔ پوری کوشش کے باوجود عبادت میں یکسوئی نہ رہ سکی بلکہ ان کا فیصلہ کرنے کی وجہ سے خلل پڑ گیا۔ تب حضرت کو تنبہ ہوا کہ میرے اس دعوے کی وجہ سے مجھے اس فتنہ میں مبتلا کیا گیا ہے۔

اس لئے تائب ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے۔

رئیس المتکلمین علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسی توجیہ کو پسند فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ فتنہ اسی معنی میں مستعمل ہے کہ جس معنی میں آیت انما اموالکم واولادکم فتنہ کے اندر مستعمل ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے۔ اسلئے ایک آزمائش میں ڈال دیئے گئے تاکہ متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا اس تفسیر کے لحاظ سے آنے والے انسان اور لغزش عجیب تھا۔

تفسیر ثالث

یہ تفسیر بھی ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے معمولات کو چار دنوں میں منقسم کیا ہوا تھا۔ ایک دن خالص عبادت کے لئے ایکدن مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے۔ ایکدن اپنے ذاتی کاموں کیلئے اور ایکدن بنی اسرائیل کو وعظ ونصیحت کرنے لئے مقرر تھا۔

ویسے تو داؤ علیہ السلام کا کوئی دن بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا تھا مگر ایک دن کو ایسا خاص کر لیا تھا کہ اس دن عبادت خانے کے دروازے بند ہو جاتے۔ پورا دن عبادت, تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے۔ اس دن حضرت تک کسی کا بھی پہنچنا سخت دشوار تھا جبکہ باقی ایام میں ہنگامی حالات میں حضرت سے رابطہ ہو جاتا تھا۔ مگر اس دن خلق خدا سے رابطہ بالکل منقطع ہو جاتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت الٰہی ایک مسلمان کا مقصد حیات ہے لیکن رب لعزت نے جس ہستی کو اپنی مخلوق کے رشد وہدایت اور خدمت خلق کیلئے چن لیا ہو تو اس کے لئے کثرت عبادت کے بجائے خدمت خلق اور دعوت الی اللہ کا کام سرانجام دینا عنداللہ زیادہ پسندیدہ اور محبوب عمل ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ تقسیم ایام اگرچہ قابل تعریف ہے لیکن ایک دن کو عبادت الٰہی کیلئے اس طرح خاص کر لینا کہ ان کا تعلق مخلوق خدا سے اسے بالکل منقطع ہو جائے منصب نبوۃ اور منصب خلافت کے منافی تھا۔ خصوصاً

حضرت داؤدؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر اور خلیفہ اللہ کیلئے بالکل مناسب نہ تھا چنانچہ حضرت داؤدؑ کی یہ روش ختم کرنے کے لئے اللہ تعالی نے انہیں ایک آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ تنبیہ ہونے کے بعد استغفار کیا اور سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالی نے معاف کر کے ان کی عظمت کو اور دوبالا کیا۔ اور یہ نصیحت فرمائی کہ اے داؤد ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اس لئے آپکی ذمہ داری ہے کہ آپ نیابت کا پورا پورا حق ادا کریں۔ فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف کا دامن چھوٹنے نہ پائے اور نہ ہی خواہش کی اتباع کریں کہ کہیں صراط مستقیم سے نہ ہٹا دے۔ یہ تفسیر مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی کی پسند فرمودہ ہے۔ اس تفسیر کے لحاظ سے بھی بظاہر آنے والے دونوں انسان تھے۔ ارتجل عن الخلق لغزش تھی۔

مابہ الاشتراک

اوران تینوں تفسیروں میں مابہ الاشتراک یہ ہے کہ ان میں نعجہ سے مراد عورت نہیں بلکہ یہ اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی تفسیریں منقول ہیں لیکن ان پر شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ترک کر دیا گیا ہے۔

حضرت دائود علیہ السلام کے متعلق قرآنی فیصلے

ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض واتینا داؤد زبورا (اسراء) ہم نے داؤد کو زبور دی وھبنا داؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب (ص) ہم داؤد کو سلیمان دیا داؤد بہت اچھا بندہ اور رحمت خداوندی کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

ولقد اتینا داؤد منا فضلا (سبا) بے شک ہم نے داؤد کو فضیلت بخشی ولقد اتینا تا من عبادہ المومنین (نمل) بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں کہ جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی یہ ہیں داؤد علیہ السلام کے متعلق قرآنی آیات۔ اب فیصلہ قارئین پر ہے کہ قرآن کے فیصلے کو ماننا ہے یا کہ اسرائیلی خرافات کو۔

۳۲۔واقعہ سلیمان علیہ السلام اور اسرائیلی روایات

ولقدفتناسلیمان والقینا علی کرسیہ جسداً ثم اناب (سورۃ ص)

آیت مذکورہ کا مفہوم یہ کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمایا اور انکی کرسی پر ایک جسم ڈالا۔ پھر انہوں نے رجوع کیا اس مقام پر نہ تو آزمائش کی تعیین کی گئی ہے اور نہ ہی جسد کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ کس کا تھا۔

چنانچہ یہاں بھی مفسرین کی تین آراء ہیں ایک رائے ابن کثیر رحمہ اللہ کی ہے **کہ ابھموا ما ابھمہ** اللہ تعالی کے اصول کے تحت انکی تعیین کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں بس جتنا قرآن میں آ گیا ہے اس پر ایمان رکھا جائے باقی تفصیلات اللہ تعالی کے سپرد۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس مقام کو سمجھنے کے لئے کتب سابقہ اور روایات اسرائیلیہ سے مدد لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے تھوک کے حساب سے اسرائیلی خرافات جمع کیں ہیں۔ نمونے کے طور پر یہاں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں

اسرائیلی روایات

سدی کے فرمان کے مطابق سلیمان علیہ السلام کی ایک سو بیویاں تھیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ محبت اور اعتماد ایک بیوی پر تھا جس کا نام جرادہ تھا۔ اس کا اصلی نام امینہ تھا۔ یہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھی حضرت سلیمان نے اسے قتل کر کے ایک تو اس کے ملک پر قبضہ کرلیا دوسرا اس کی اس بیٹی کو بھی گرفتار کر کے لے آئے اور اس سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ زیادہ محبت کرنے لگ گئے چنانچہ اسی کے کہنے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے باپ کی مورتی بنانے اجازت دی چنانچہ چالیس دن حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں اپنے باپ

کی مورتی کی عبادت کرتی رہی ۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ جب بیت الخلا جانے کا ارادہ ہوتا تو انگوٹھی اس جرادہ کے حوالے کر دیتے تھے ۔ ایک دفعہ جب اسے انگوٹھی دے کر قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے تو پیچھے سے ایک شیطان آپ ہی کی صورت میں آیا اور جرادہ سے انگوٹھی مانگی ۔ اس نے دے دی یہ شیطان انگوٹھی پہن کر تخت پر بیٹھ گیا تمام جن وانس اسکے تابع ہو گئے ۔ اب جب سلیمان علیہ السلام نے آ کر انگوٹھی مانگی تو وہ کہنے لگی کہ میں تو انگوٹھی سلیمان کو دے چکی ہوں انہوں نے کہا کہ میں ہی سلیمان علیہ السلام ہوں اس نے کہا آپ جھوٹ بولتے ہیں ۔ آپ سلیمان نہیں ہیں ۔ اس کے بعد آپ نے جس کے سامنے بھی اپنا سلیمان ہونا ظاہر کیا اس نے تکذیب کی ۔ حتیٰ کہ بچوں نے اس دعوے سلیمانی کی وجہ سے دیوانہ سمجھ کر آپکو پتھر مارنے شروع کر دئے ۔ جب آپ نے یہ حالت دیکھی تو سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے آزمائش ہے چنانچہ اس شیطان نے چالیس دن تک حکومت کی ۔ احکام ومعمولات کی تبدیلی کو دیکھ کر علماء نے سمجھ لیا کہ یہ سلیمان نہیں ۔ چنانچہ ان علماء کی ایک جماعت آپ کی بیویوں کے پاس گئی اور ان سے پوچھا کہ کیا تم سلمیان میں تبدیلی پاتی ہو تو انہوں نے جواب دیا ہاں ۔ کیونکہ اب تو وہ ہمیں حالت حیض میں بھی نہیں چھوڑتے جبکہ اس سے پہلے ایسا کام نہیں کرتے تھے ۔ اس پر علماء نے کہا کہ یہ سلیمان نہیں ہیں ورنہ ایسے خلاف شرع کام نہ کرتے یہ سن کر بیویاں رونے لگ گئیں ۔ چنانچہ علماء کی یہ جماعت واپس آئی اور تخت کے اردگرد بیٹھ کر توراۃ کی تلاوت شروع کر دی یہ خبیث شیطان کلام خدا سن کر بھاگا اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی جسے ایک مچھلی نگل گئی ۔ ایک دن سلیمان پھرتے پھراتے سمندر کے ساحل پر نکل گئے بھوک بہت لگی ہوئی تھی ۔ وہاں موجود ماہی گیروں سے ایک مچھلی مانگی انہوں نے رحم کیا آپ کو دو مچھلیاں دے دیں ۔ جب آپ نے بھوننے کے لئے مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی نکل آئی ۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور انگوٹھی پہن لی ۔ اسی وقت پرندوں نے آپ پر سایہ کر لیا ۔ اور لوگوں نے بھی

پہچان لیا۔ چنانچہ آپ محل میں آ کر اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس شیطان کو جہاں بھی ہو گرفتار کر کے لایا جائے چنانچہ اس کو قید کر لیا گیا۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے اس پر اپنی مہر لگا دی اور سمندر میں ڈلوا دیا جو قیامت تک وہیں قید رہے گا۔ اس کا نام حقیق یا صخر تھا بعض نے اس کا نام آصف بتایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے دعا کی کہ مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ عطا کیا جائے۔ بقول مجاہد ایک دفعہ آصف نامی ایک شیطان سے حضرت سلیمان نے پوچھا کہ تم لوگوں کو فتنے میں کیسے ڈالتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ ذرا اپنی انگوٹھی مجھے دکھائیں آپ کو ابھی پتہ چل جائے گا۔ جب آپ نے انگوٹھی دی تو اس نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور خود حضرت سلیمان کا لباس پہن کر تخت پر بیٹھ گیا اور لوگوں کو گمراہ کرنے لگ گیا۔ چونکہ آپ کے محل میں مورتی کی عبادت چالیس دن تک ہوئی تھی اس لئے چالیس دن تک آپ حکومت سے محروم رہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان اسرائیلی روایات کے مطابق لغزش آپ کے محل میں مورتی کی پوجا تھی اور جسد سے مراد وہ شیطان ہے جس نے آپکے تخت پر قبضہ جما لیا تھا۔

گو ان میں سے بعض روایات ابن عباسؓ سے منقول ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے اسرائیلی خرافات و اباطیل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ ابن عباسؓ وغیرہ نے بھی یہ روایات نومسلم اہل کتاب سے لی ہیں۔ جیسا کہ خو ابن عباسؓ کا اپنا فرمان ہے کہ چار آیات کے مفہوم و مطلب کا مجھے کوئی علم نہیں تھ۔ یہاں تک کہ میں نے ان کا مفہوم کعب احبار سے پوچھا تو تب پتہ چلا۔ ان میں سے ایک آیت والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب ہے پھر انہوں نے مذکورہ بالا واق بیان کیا۔ ایسی روایات یہود اہل کتاب کو مبارک ہوں۔

الدر المنثور للسیوطی صفحہ ۱۳۰ جلد ۵

حسبنا کتاب اللہ وسنۃ رسولہ

علمائے اسلام کی طرف سے اسرائیلی خرافات کا پوسٹ مارٹم

قاضی عیاضؒ

شفا میں فرماتے ہیں کہ ایک شیطان کا حضرت سلیمان کے ہم شکل بن کر ان کی حکومت پر قبضہ جمانا اور ان کی رعایا پر ظالمانہ فیصلے ٹھونسنا یہ بات درست نہیں کیونکہ انبیاء علیہ السلام حفاظت الیہہ کی وجہ سے ایسے شیطانی تسلط سے محفوظ رہتے ہیں۔ صفحہ ۱۲۶ جلد ۲

حافظ ابن کثیرؒ

ہتک آمیز روایات گھڑنے کی وجہ

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تمام اسرائیلی روایات ہیں چونکہ علامہ ابن کثیر اسرائیلیات کے سپیشلسٹ ہیں اس لئے شاید وہ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے ان روایات کے گھڑنے کی وجہ معلوم کرنے میں کامیاب معلوم ہوتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی ایک جماعت حضرت سلیمانؑ کو نبی ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اس لئے آپ کی دشمنی میں انہوں نے جعلی کرنسی کی طرح وافر مقدار میں روایات گھڑی ہیں۔ یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ وہ شیطان آپ کی ازواج کے ساتھ بعد فعلی بھی کرتا رہا۔ حالانکہ اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اللہ تعالی انبیاء کی ازواج مطہرات کو اس گھناؤنے فعل سے محفوظ رکھتے ہیں۔

ابوالبرکات حنفیؒ کا فرمان۔

صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ انگوٹھی۔ شیطان اور حضرت سلیمان کے گھر مورتی کی عبادت کی کہانی یہ **من اباطیل الیهود** ہے (مدارک)

اسی طرح کے خیالات کا اظہار علامہ آلوسی نے روح المعانی میں علامہ ابو حیان نے بحر المحیط میں۔ علاؤ الدین نے خازن میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں مولانا ثنا اللہ مظہری نے تفسیر مظہری میں کیا ہے۔

عقل کا فیصلہ۔

نقل کی طرح عقل سلیم بھی اس قصہ کے من گھڑت ہونے کا فتوی صادر کرتی ہے۔ کہ جب شیطان ایک نبی کی شکل اختیار کر سکتا ہے تو اس نبی کی شریعت اور وحی پر کیا اعتبار ہے کہ حکم رحمانی ہے یا کہ شیطانی

اسی طرح اسرائیلی اکاذیب کے علاوہ تاریخ عالم میں کسی ایسی حیرت انگیز انگوٹھی کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ جس کے رہنے سے نبوۃ وحکومت رہے اور چھن جانے سے یہ دونوں چیزیں بھی چھن جائیں۔

اگر واقعی اس انگوٹھی میں کوئی ایسی بات تھی تو قرآن کریم میں جو کہ سابقہ کتب و شرائع کے لئے مصدق وشاہد ہے زیادہ نہیں تو کم از کم ایک جملہ ہی اس انگوٹھی کی شان میں ذکر کر دیا جاتا حالانکہ قرآن کریم میں اس کا اشارہ تک موجود نہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی عقل سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالی نے ایک لحظہ ولمحہ کے اندر حضرت سلیمان کی شکل اس طرح بدل دی کہ ان کے ساتھ تو زندگی گزانے والی سب زیادہ پیاری بیوی جرادہ بھی آپ کو نہ پہچان سکی۔

قارئین کرام خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں اعلان کر رہی ہیں اور شور مچا رہی ہیں کہ یہ قصہ دشمنان انبیاء کا وضع کردہ ہے۔ اس سے بچو۔ بچو۔ بچو

نبی معصوم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی جرات

بعض حضرات نے تو انتہا کر دی اور کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک روایت حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے مرفوعاً بیان کر دی۔ کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جنات نے کہا کہ اگر یہ بیٹا زندہ رہا تو ہم اس کی فرمانبرداری سے کبھی نجات نہیں پا سکیں گے۔ لہذا یا تو ہم اسے قتل کر دیں یا پھر پاگل بنا دیں۔ جب حضرت کو جنات کی اس سازش کا علم ہوا انہوں نے جنات سے بچانے کیلئے اپنے بیٹے کو بادل میں چھپا دیا اس کے بعد آپ کو اپنے بیٹے کی خیر خیریت معلوم نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ ایک دن اسے اپنے تخت پر مردہ حالت میں پایا گویا اس روایت کے مطابق لغزش اللہ تعالی پر بھروسہ نہ کرنا تھی اور جسد سے مراد بیٹے کا جسم ہے۔

لیکن ہم اس روایت کے بارہ میں سردست یہی کہیں گے کہ ھذا الحدیث موضوع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہی بات علامہ سیوطی نے بھی اپنی کتاب اللالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ کے صفحہ ۲۲۱ جلد ۲ پر تحریر کی ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔

اور جو آدمی عصمت انبیاء کا عقیدہ رکھتا ہے وہ اس حدیث کے موضوع ہونے میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کریگا۔ **انما ھو من اسرائیلیات نبی اسرائیل واکاذیبھم**

آیت مذکورہ کی صحیح تفسیر

اب آپ کے سامنے آیت مذکورہ کی دو صحیح تفسیریں پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ یہ تفسیر امام رازی کی طرف منسوب ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے اور ان کی حالت اس قدر لاغر ہو گئی تھی کہ جب تخت پر

لا کر بٹھائے گئے تو جسم بے روح معلوم ہوتا تھا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی صحت یاب ہونے کے بعد شکر الٰہی بجالائے اور پیغمبرانہ شان کے مطابق معافی مانگی اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے دعا مانگی کہ مجھے بے مثال حکومت عطا فرما۔ تفسیر کبیر روح المعانی

اس تفسیر کے لحاظ سے فتنہ سے مراد مرض شدید۔ اور القائے جسد سے مراد لاغر جسم ہے۔

2 بعض محدثین نے اس آیت کی تفسیر میں بخاری شریف کتاب الانبیاء کی ایک حدیث پیش کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ نے سوچا کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں سے ہمبستری کرونگا۔ ہر بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور مجاہد بنے گا مگر انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ایک اولوالعزم پیغمبر کا یہ طرز کلام پسند نہ آیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کو اس طرح غلط ثابت کر دیا کہ صرف ایک بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا وہ بھی ناقص اور مردہ۔ کسی خادم نے وہ بچہ ان کے سامنے اس وقت لا کر پیش کر دیا جب آپ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کو تنبہ ہوا کہ یہ نتیجہ ان شاء اللہ نہ کہنے کا ہے چنانچہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور معافی مانگی۔ گویا کہ لغزش ان شاء اللہ نہ کہنا اور جسداً سے مراد ناقص الخلقت مردہ بچہ ہے۔ واللہ اعلم

۳۳۔قصہ ایوب علیہ السلام اور اسرائیلی روایات

واذکر عبدنا ایوب تا انہ اواب(سورۃ ص)

قرآن کریم نے سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں حضرت ایوب علیہ السلام کا جوتعارف پیش کیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص بندہ ہے۔نام ایوب ہے۔مال دولت اہل وعیال کے اعتبار سے انتہائی سعادت منداور نیک بخت تھا۔مگراچانک ایک ایسا امتحان اور آزمائش آ گئی کہ جس نے نہ صرف مال ومتاع۔اہل وعیال بلکہ جسم وجاں کوبھی آ گھیرا۔مال ودولت تباہ ہوگیا۔اوراولاد ہلاک ہوگئی اورجسم کوسخت بیماری لگ گئی۔لیکن اس بندہ خدا نے نہ شکوہ کیا اور نہ ہی کوئی شکایت بلکہ بصدادب واحترام بارہ گاہ الٰہی میں اپنی عرض ان الفاظ کے ساتھ پیش کردی۔انی مسنی الشیطن بنصب وعذاب اورکہیں کہتے ہیں انی مسنی الضروانت ارحم الراحمین۔

پاس ادب دیکھے کہ یہ نہیں کہ رہے کہ آپ نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ شیطان نے مجھے تکلیف دہ انداز میں چھوا ہے۔اور مجھے مصیبت آ پہنچی ہے۔اوراپنی التجا کوختم کرتے ہیں وانت ارحم الراحمین جیسے پیارے الفاظ پر۔رحمت الٰہی جوش میں آئی اپنے بندے کی پکارکوسنا اورقبول کرلیا۔تباہ شدہ مال ودولت اور ہلاک شدہ اہل وعیال سے ڈبل عطا کردیئے۔اورصحت وتندرستی کیلئے ایک چشمہ جاری کردیا جس سے غسل کیا صحت اورتندرستی مل گئی۔پھر فرماتے ہیں کہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ عقل والے اس سے عبرت اورنصیحت حاصل کریں۔کہ صبر کا پھل کتنا میٹھا ہوتا ہے۔پھرصبر اورعبدیت ایوبی کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی اناوجدناہ صابرانعم العبدانہ اواب۔بلاشبہ ہم نے ایوب کو صابر پایا وہ بہت اچھابندہ اوررجوع کرنے والا تھا۔

اسرائیلی روایات

یہ ہے ایوب علیہ السلام کا قرآنی تعارف اس کے علاوہ جوکچھ کتب تفسیر

میں منقول ہے کہ شیطان کے مانگنے پر اللہ تعالی کا اولاً اسے صرف ایوب علیہ السلام کے مال و دولت۔ اور اہل و عیال پر مسلط کرنا اور شیطان کا اپنے چیلوں سے یہ سب کچھ تباہ کروانا اس کے بعد پھر اللہ تعالی کا شیطان کو حضرت ایوب کے جسم پر مسلط کرنا اور شیطان کا آپ کو بیمار کرنا جسم کا گل سڑ جانا اور کیڑے پڑ جانا اور بستی والوں کا کوڑا خانہ پر ڈال دینا اور ایک دن حضرت ایوب کو نہ پا کر بیوی کا یہ کہنا کہ کہیں اسے بھیڑیے یا کتے تو نہیں کھا گئے اور آپ کے صحابیوں اور قریبی دوستوں کا یہ کہنا کہ ان سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ایسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وغیرہ ذلک (تفسیر مظہری۔ ابن کثیر)

یہ سب کچھ اسرائیلی خرافات اور قصہ خواں لوگوں کی کہانیاں ہیں قرآن کریم و احادیث صحیحہ ان سے بالکل خاموش ہیں۔

علمائے اسلام کے ارشادات

یہی وجہ ہے کہ شیخ محمد بن محمد فرماتے ہیں کل ماروی موقوفاً او مرفوعا لایخرج عما ذکرہ وہب بن منبہ فی قصہ ایوب یعنی قصہ ایوب علیہ السلام کا سلسلہ میں جتنی بھی مرفوع یا موقوف روایات منقول ہیں۔ سب کا مرکزی راوی وہب بن منبہ ہے۔ اور ان صاحب کا کام ہی اسرائیلیات بیان کرنا ہے

(الاسرائیلیات والموضوعات صفحہ ۲۷)

امام آلوسی کا فرمان

امام آلوسی فرماتے ہیں کہ علمائے محققین فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ ایوب علیہ السلام کو کوئی ایسا مرض لگ گیا تھا جس کی وجہ سے لوگ ان سے نفرت کرتے اور بھاگتے مثلاً پھوڑے پھنسیاں۔ کوڑھ کا مرض جنون وغیرہ درست نہیں۔ البتہ فقر اور ایسا مرض جو کہ باعث نفرت نہ ہو اسی طرح اہل و عیال کا مر جانا یہ چیزیں ایسی ہیں کہ انکے ذریعے اللہ تعالی اپنے پیاروں کا امتحان لے سکتے ہیں۔

روح المعانی صفحہ ۲۰۸ جلد ۲۳

مولانا حفظ الرحمن کا فرمان۔

اسرائیلی روایات میں حضرت ایوبؑ کے مرض کے متعلق مبالغہ آمیز روایات درج ہیں۔ اور ان میں ایسے امراض کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ باعث نفرت سمجھے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے مریض انسان سے بچنا ضروری سمجھا جاتا ہے مثلاً جزام یا پھوڑے پھنسیوں کا اس حد تک پہنچ جانا کہ بدن گل سڑ جائے اور بدبو سے نفرت پیدا ہونے لگے۔

یہ سب اسرائیلی روایات غیر مستند اور مبالغہ آمیز ہیں قرآن اور احادیث رسول میں اسکے متعلق کوئی تفصیل موجود نہیں ہے محققین کی رائے یہی ہے اور یہی صحیح اور درست ہے جب قرآن عزیز نے مرض کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور تمام ذخیرہ حدیث اس کے ذکر سے خالی ہے تو اسرائیلی روایات پر بحث کرنا فضول اور لغو ہے

(قصص القرآن)

افسوس

ہمیں افسوس ہے کہ سابقہ مقامات کی طرح ہم اس مقامپر حافظ عماد الدین ابن کثیر کا فرمان نقل نہیں کر سکے کیونکہ حافظ صاحب نے یہاں بہت سی اسرائیلی روایات ذکر کرنے کے باوجود آخر میں اپنی عادت کے برعکس فیصلہ کن بات کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کی ہے۔

حق

حق یہ ہے کہ قرآنی وضاحت کے مطابق ایوب علیہ السلام جان و مال اور اہل و عیال کے اعتبار سے ایک ہولناک امتحان میں مبتلا کئے گئے۔ جس پر آپ نے ایسے بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا کہ رب العالمین کو بھی ان کے صبر کی تعریف کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ **انا وجد ناہ صابرا نعم العبد انہ اواب**

رہے زنادقہ اہل کتاب کے وہ اضافہ جات جو کہ انبیاء علیہم السلام کی

شان کے سراسر منافی ہیں تو ایک مسلمان کے لئے ان سے اجتناب کرنا واجب اور ضروری ہے باقی اہل کتاب کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کی شان اقدس میں ایسی جسارت اور دلیری کا مظاہرہ کرنا کوئی حیرت انگیز اور عجیب بات نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی جگہ پر رہے ان ظالموں نے تو رب العلمین کو بھی معاف نہیں کیا بلکہ خالق کائنات کی طرف بھی بعض ایسی باتیں منسوب کر دیں جن کی نسبت رب العلمین کی طرف کرنی عقلاً ونقلاً محال ہے مثلاً نعوذ باللہ ان کا اللہ تعالی کو فقیر کہنا کمافی قولہ تعالی ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء اس طرح ان ملعونوں کا اس وھاب اور رزاق کی طرف کنجوسی کی نسبت کرتے ہوئے کہنا ید اللہ مغلولۃ (مائدہ)

خلاصہ

اس پوری بحث وتمحیص کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے لئے یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ ایوب علیہ السلام ایک عظیم امتحان میں مبتلا ہوئے ہیں اور یہ ابتلا کسی سابقہ گناہ کی سزا کے طور پر نہیں تھا (مدارک) بلکہ عام عادت الہیہ کے مطابق تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ ان کو جزام کا مرض لگ گیا۔ جسم پر پھوڑے نکل آئے اور انہیں کناسہ (کوڑا خانہ) پر ڈال دیا گیا۔ ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ یہ محض اہل کتاب کے اکاذیب واباطیل ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں کیونکہ یہ ایسے امراض ہیں کہ جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں اور اللہ تعالی کی شان کریم سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اپنے انبیاء ورسل کو ایسی گندگی اور قابل نفرت بیماریوں میں مبتلا کر دیں کہ جن کی وجہ سے لوگ ان سے نفرت کرتے ہوئے انہیں اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ جس سے ان کی رسالت ونبوۃ کا مقصد فوت ہو جائے ان اللہ لا یرضاھا قطعاً۔

وخذ بیدك ضغثا فاضرب به (سورة ص)

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کی کسی بات پر ناراض ہو کر قسم کھا لی تھی کہ تندرستی کے بعد تجھے سو ڈنڈے لگاؤں گا۔

اس قسم کا سبب کیا تھا۔ گو مفسرین نے اس سلسلہ میں متعدد روایات ذکر کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اس کی کوئی تفصیل مذکور نہیں۔ بس اتنا اعتقاد رکھنا چاہئے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کی کسی بات پر ناراض ہو کر بعد از صحت انہیں سو ڈنڈے مارنے کی قسم کی کھالی تھی۔ بعد از صحت رب العلمین نے قسم پورے کرنے کی ایک آسان تدبیر بتادی تا کہ میرے پیغمبر کی قسم بھی پوری ہو جائے اور وفادار رفیقہ حیات بھی بچ جائے۔ اس لئے فرمادیا کہ سونکوں کا مٹھا بنا کر بیوی کو ماردیں اس طرح آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔

۳۴۔قصہ قوم عاد اور اسرائیلی روایات

الم ترکیف فعل ربك بعاد ارم ذات العماد (الفجر)

ترکیبی لحاظ سے ارم لفظ عاد سے بدل یا کہ عطف بیان ہے۔اور جمہور مفسرین کے فرمان کے مطابق لفظ عاد اور ارم سے مراد مشہور قبیلہ عاد ہے۔ جو کہ احقاف شمالی حضرت موت کے علاقہ میں رہائش پذیر تھا۔ یہی عاد اولی ہے کہ سورۃ نجم میں جسکی ہلاکت کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے انہ اہلک عاداً الاولی اور ثمود کو عاد ثانیہ یا عاد آخرہ کہا جاتا ہے۔اسی قبیلہ وقوم کی طرف حضرت ہود مبعوث ہوئے تھے۔جنکی تکذیب پر یہ قوم آٹھ دن کے مسلسل عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہوئی

ذات العماد

اس سے مراد ان کی بلند قامتی کا بیان ہے کہ وہ ستونوں کی طرح بلند قامت تھے اس کی تائید سورۃ الحاقہ کی آیت کانھم اعجاز نخل خاویۃ اور سورۃ اعراف کی آیت کریمہ وزادکم فی الخلق بسطۃ سے بھی ہوتی ہے

لیکن اگر کوئی اسرائیلی روایات کے حوالوں سے ان کی غیر معمولی قد و قامت کو بیان کرنا شروع کردے کہ ان کے سر آسمان کو چھوتے تھے یا وہ اتنے طاقتور تھے کہ ان میں سے ایک آدمی بعض اوقات ایک چٹان اپنے کندھوں پر اٹھا کر لاتا تھا اور پوری بستی کو تباہ کردیتا تھا تو ہم اس کی تصدیق کرنے سے قاصر ہیں۔

شہر شداد

اس مقام پر اصل ہم اس گپ کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو کہ شہر شداد کے بارہ میں مشہور کر دی گئی ہیں۔

لہذا پوری صورت حال حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کی زبانی سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ارم ذات العماد سے مراد شہر لیا ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ

اس صورت میں اس آیت کا ماقبل کے ساتھ ربط صحیح نہیں بیٹھتا کیونکہ مقصود عاد نامی قوم کی ہلاکت کا بیان کرنا ہے۔ کسی شہر کا تعارف مقصود نہیں ہے۔

پھر امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہاں میں نے یہ وضاحت اس لئے کی ہے تا کہ اس مقام پر مفسرین کی ذکر کردہ تفسیر سے کوئی آدمی دھوکے میں نہ پڑ جائے۔ اور جو کچھ مفسرین نے یہاں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ارم ذات العماد سے مراد ایک شہر ہے جس کی ایک اینٹ سونے کی جبکہ دوسری چاندی کی ہے۔ اس کے مکانات، باغات، محلات بھی سونے چاندی کے ہیں۔ اس کی کنکریاں لولو. اور قیمتی جواہرات ہیں۔ اسکی مٹی مشک کی ہے اس کی نہریں جاری ہیں۔ پھل تیار ہیں لیکن اس میں رہنے والا کوئی نہیں اس کے مکانات غم خوار سے خالی ہیں۔ اور اس کے در دیوار خاموش ہیں کوئی جواب دینے والا نہیں اور یہ موبائل و گشتی شہر ہے۔ کبھی یہ شام میں ہوتا ہے تو کبھی یمن میں کبھی عراق میں ہوتا ہے اور کبھی کسی اور ملک میں۔ اس کا بانی شداد بن عاد تھا جو کہ پوری دنیا کا بادشاہ تھا۔ جب اس نے سابقہ کتب سے جنت کا تذکرہ پڑھا یا سنا تو عدن کے ایک صحرا میں جنت نظیر ایک شہر بنانے کی ٹھان لی۔ چنانچہ وہ شہر تین سو سال میں مکمل ہوا۔ جبکہ شداد کی اپنی عمر نو سو سال تھی۔ رہائش رکھنے کے لئے چل پڑا چنانچہ ایک دن کی مسافت باقی تھی کہ آسمان سے ایک چیخ آئی جس میں وہ ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا۔

ایک عجیب واقعہ

یہ قصہ نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں ہذا کلہ من خرافات الاسرائیلین اور اہل کتاب کے بد دین لوگوں نے اس لئے گھڑی ہیں تا کہ جاہلوں سے داد حاصل کر سکیں۔ اسکے بعد حافظ ابن کثیر نے اور خازن نے بھی اپنی تفسیر میں بروایت وہب بن منبہ اس سے بھی عجیب قصہ ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن قلابہ نامی ایک دیہاتی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنے گمشدہ اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے ایک صحرا میں نکل گیا جہاں اس نے مذکورہ صفات کا حامل شہر دیکھا اس میں داخل ہو کر سیر و سیاحت کرتا رہا

اور اپنی بساط کے مطابق وہاں سے ہیرے جواہرات اٹھا کر لے آیا۔
اور آ کر لوگوں کو بتایا رفتہ رفتہ یہ خبر جب حضرت معاویہؓ تک پہنچی تو انہوں نے اس دیہاتی کو بلا کر اس سے واقعہ سنا۔ اور اس کے بعد اسرائیلیات کے ماہر کعب احبار کو بلایا اور ان سے اس شہر کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا یہی ارم ذات العماد ہے اور یہ بھی بتایا کہ عنقریب مسلمانوں میں سے ایک ایسا آدمی اس شہر میں داخل ہوگا جس کا رنگ سرخ۔ قد چھوٹا اور پیشانی پر بل ہوگا۔ کعب احبار نے جب عبداللہ بن قلابہ دیہاتی کو دیکھا تو پکار اٹھے

ھذا واللہ ذاک الرجل (خازن)

حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ من گھڑت ہے۔ حافظ عماد الدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ دیہاتی والا قصہ اور اس جیسے لمبے چوڑے قصے جو بعض مفسرین نے ذکر کئے ہیں سنداً صحیح نہیں ہیں۔ اور اگر بالفرض دیہاتی کا یہ قصہ درست بھی مان لیں تب بھی یہ کہنا پڑے گا کہ یہ اس کی ذہنی اختراع تھی ممکن ہو کہ لالچ کی وجہ سے اس نے ایسے شہر کا نقشہ ذہن میں جما لیا ہو اور خیالات کی پختگی اور عقل کی کمی نے اسے یقین دلایا ہو کہ وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے ساتھ صحیح دیکھ رہا ہے۔ جبکہ فی الواقع ایسا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شہر آج تک کسی کو نظر نہیں آ سکا۔

شیخ چلی جیسے خیالات

ان خیالات کی مثال بالکل ایسے ہی جیسے بعض جاہل و حریص لوگ خیال جما لیتے ہیں کہ فلاں زمین کے نیچے سونے چاندی کا ڈھیر اور ہیرے جواہرات کے انبار ہیں لیکن ان کے آگے کچھ ایسی رکاوٹیں ہیں جس کی وجہ سے ان تک رسائی ممکن نہیں مثلاً (خزانے کے منہ پر اژدھا بیٹھا ہے یا کسی جن کا پہرہ ہے) یہ سب بناوٹی اور من گھڑت باتیں ہیں۔ ان کے گھڑنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ

لالچی اور بے وقوف قسم کے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان سے پیسے بٹور ے جائیں۔ (ابن کثیر صفحہ ۵۳۸ جلد ۴)

بالکل اسی طرح یہ شہر بھی ایک خیالی شہر ہے ۔ خلاصہ یہ کہ ارم ذات العماد سے مراد قوم عاد ہے اس سے مراد کوئی شہر نہیں نہ دمشق نہ اسکندریہ اور نہ ہی خیالی شہر شداد۔

۳۵۔متفرق اسرائیلیات

ان مذکورہ مقامات کے علاوہ جو کہ اب تک آپ پڑھ چکے ہیں بہت سے اور مقامات بھی ہیں کہ جہاں کتب تفسیر میں اسرائیلیات درج کی گئی ہیں مثلاً سورۃ مریم کی آیت فاتت بہ قومھا تحملہ

اسی طرح سورۃ طٰہٰ کی آیت وفتناک فتونا کے تحت طویل وعریض حدیث فتون اس کے بارہ میں بھی حافظ ابن کثیر ماخوذ من الاسرائیلیات ہونے کا خدشہ ظاہر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج المزی بھی ایسا ہی فرماتے تھے

(ابن کثیر صفحہ ۱۷۰ جلد ۳)

علاوہ ازیں سورۃ بقرہ میں ذبح بقرہ اور قتل نفس کے واقعہ میں اور سورۃ قصص میں واقعہ قارون میں بھی بہت ساری اسرائیلیات کی فضول بھرتی موجود ہے۔ جنہیں بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سورۃ ق کی پہلی آیت کی تفسیر کے تحت اسرائیلیات کے حوالے سے قاف نامی عجیب وغریب پہاڑ ثابت کیا گیا ہے ۔مثلا ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے اس زمین کے گرد ایک سمندر پیدا کیا ہے جس نے ساری زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ پھر اس سمندر کے گرد ایک پہاڑ ہے جسے قاف کہا جاتا ہے آسمان دنیا اسی پہاڑ پر قائم ہے۔ پھر اس پہاڑ کے بعد ایک اور زمین ہے اور پھر اس کے بعد بھی ایک سمندر ہے اور اس سمندر کے گرد پھر ایک سیاہ پہاڑ ہے ۔ اس طرح سات زمینیں ,سات سمندر ,سات پہاڑ اور سات آسمان ثابت کیے گئے ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق اللہ تعالی نے ایک ایسا پہاڑ پیدا کیا ہے جس کا نام قاف ہے اور وہ پوری دنیا کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس پہاڑ کی جڑیں اس چٹان میں پیوست ہیں کہ جس پر زمین ٹھہری ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالی کسی بستی یا شہر میں زلزلہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو اس پہاڑ کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس رگ اور جڑ کو حرکت دیتا ہے جو اس بستی کے ساتھ متصل ہوتی ہے تو اس سے اس بستی یا شہر میں زلزلہ آجاتا ہے۔

امام آلوسیؒ

فرماتے ہیں کہ یہ نری گپ ہے۔حس اور مشاہدہ اس پہاڑ کی نفی کرتا ہے ۔کیونکہ انسانیت نے بحروبر کو متعدد بار چھان مارا ہے لیکن ایسا محیط پہاڑ آج تک کسی کو نظر نہیں آیا۔مزید فرماتے ہیں کہ اس روایت میں زلزلوں کے سلسلہ میں بیان کردہ فلسفہ بھی درست نہیں بلکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ زلزلے کا سبب وہ بخارات ہیں جو کہ شدت حرارت کی وجہ سے زمین کے اندر سے اٹھتے ہیں۔جب وہ ٹھوس زمین سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں تو زمین پر اہتزاز اور کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے جسے زلزلہ کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۲۰ جلد۲)

اگر علامہ آلوسیؒ ہمارے اس جدید زمانہ میں ہوتے اور فضائیہ کی ترقی کا مشاہدہ فرماتے تو روایت ہذا کا اور بھی شدت سے انکار کرتے اور رد فرماتے۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے خرافات میں سے ہیں۔جنہیں بعض لوگوں نے اس لئے بیان کر دیا ہے کہ ان کی رائے کے مطابق اہل کتاب سے روایات یعنی مباح اور جائز ہیں آگے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اور اس جیسی دیگر روایات اہل کتاب کے زندیق اور بے دین لوگوں نے صرف اس لئے گھڑی ہیں تا کہ وہ عوام پر دین کو خلط ملط کر دیں۔جیسا کہ اس امت مرحومہ میں ہوا کہ جلیل القدر علماء حفاظ اور آئمہ حدیث کے ہوتے ہوئے تھوڑے سے عرصہ میں بہت سی احادیث گھڑ کر چھاپ دی گئیں۔تو پھر بنی اسرائیلی کا کیا حال ہوگا کہ جن کا زمانہ بھی طویل تھا علماء اور نقاد حفاظ بھی نہیں تھے اور جو تھے وہ بھی کتب سماویہ میں تحریف و تبدیل کے مرتکب ہوتے رہتے تھے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بنی علیہ السلام نے اہل کتاب سے روایت کو جو جائز قرار دیا ہے تو اس سے مراد صرف وہ روایات ہیں جو کہ کم از کم عقل میں آسکیں۔لہذا ان کی جو روایات سرسر خلاف عقل ہونے کی وجہ سے صریح البطلان ہیں اور ظن غالب جن کے جھوٹ ہونے کا فیصلہ کرے۔شریعت ایسی روایات کو

بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی جیسا کہ یہ روایت ہے۔

اسکے بعد فرماتے ہیں کہ

افسوس ہے کہ بہت سے متقدمین ومتاخرین علماء نے ایسی بہت سی کہانیاں اہل کتاب سے نقل کر کے قرآنی تفسیر میں درج کر دی ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم ایسی خرافات کا بالکل محتاج نہیں ہے۔

صحیح تفسیر

آگے فرماتے ہیں کہ ق کسی پہاڑ کا نام نہیں ہے بلکہ ص اور ن کی طرح حروف تہجی میں سے ایک حرف ہے۔ ابن کثیر صفحہ ۲۲۳ جلد ۴

هذا هو الصحيح

ن والقلم

بعض حضرات نے ن کی تفسیر میں بھی ایک عجیب وغریب روایت درج کی ہے کہ ن سے مراد ایک مچھلی ہے کہ جس کی پشت پر زمین قائم ہے۔ اور اس مچھلی کا نام لمعوت یا بلہوت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے زمین وآسمان بنائے تو عرش سے ایک فرشتہ بھیجا جس نے زمین کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا مگر اس فرشتے کے پاؤں رکھنے کی جگہ کوئی نہیں تھی۔ تب اللہ تعالی نے ایک ایسا بیل بھیجا جس کے سینگ بھی چالیس ہزار اور پاؤں بھی چالیس ہزار تھے۔ بیل کے کوہان پر ایک زمرد کی چوکی رکھی گئی جس پر اس فرشتے نے پاؤں ٹکا لیئے مگر اس بیل کے پاؤں رکھنے کیلیئے کوئی جگہ نہ تھی۔ تو اللہ تعالی نے اس کے لئے بڑا پتھر پیدا کیا۔ جس پر وہ بیل کھڑا ہے۔ اور اس کے سینگ زمین سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ اور اسکے نتھنے سمندر کے اندر ہیں۔ جب وہ سانس لیتا ہے تو سمندر کا پانی بڑھ جاتا ہے اور جب سانس کھینچتا ہے تو سمندر کا پانی سمٹ جاتا ہے گویا کہ مدوجزر

اس کے سانس کے مرہون منت ہیں۔ اور وہ پتھر کہ جس پر بیل کھڑا ہے ایک مچھلی پر پڑا ہے۔ جس کا یہاں ذکر ہے اور وہ مچھلی پانی پر ہے اور پانی ہوا پر ہے۔ اس مچھلی اور بیل کے بارہ میں اور بھی عجائب وغرائب روایات میں مذکور ہیں۔

مولانا حقانی فرماتے ہیں کہ یہ روایات محققین محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں اس لئے انہوں نے ان روایات کو اپنی کتب میں لکھنا برا سمجھا ہے فن موضوعات میں آئمہ جرح وتعدیل نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔

(تفسیر حقانی صفحہ۱۸۲ جلد ۷)

علامہ ابو حیان

فرماتے ہیں کہ لایصح شی من ذلک کہ یہ روایات بالکل غلط ہیں۔

(روح المعانی صفحہ۲۳ جلد۲۹)

(باب ثانی)

کتب تفسیر اور موضوع روایات

بقدر ضرورت اسرائیلی روایات سے فراغت کے بعد اتمام فائدہ اور تکمیل بحث کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض سورتوں اور آیات کی فضیلت میں پائے جانے والی ان روایات کی بھی نشان دہی کردی جائے جن کے بارہ میں آئمہ کبار نے موضوع اور من گھڑت ہونے کا فیصلہ دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض سور وآیات کی فضیلت میں بہت سی روایات جعلی کرنسی کی طرح گھڑی گئی ہیں۔ بظاہر ان کے گھڑنے والوں کا مقصد رضائے الٰہی تھا۔ کہ اس سے لوگوں کے دلوں میں قرآن کی رغبت پیدا ہوگی جس سے ہمیں اللہ تعالٰی کی رضا حاصل ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اس خوشنما کرتوت کی وجہ سے آقا کے اس فرمان کے پورے پورے مصداق بن گئے جو کہ بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے **من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار ۔اذلا فرق بین الکذب علیه و الکذب له** ۔

ان روایات موضوعہ میں سے ایک وہ لمبی روایت بھی ہے جو کہ حضرت ابی بن کعبؓ کے واسطہ سے مرفوعا بیان کی جاتی ہے اور اس میں قرآن کی ہر ہر سورۃ کی علیحدہ فضیلت ذکر کی گئی ہے۔

مثلاً سورۃ آل عمران کے بارہ میں ہے کہ جس نے سورۃ آل عمران پڑھی تو اس کی ہر ہر آیت پڑھنے والے کیلئے پل صراط سے حفاظت کا سبب بن جائے گی۔ اور جو آدمی جمعہ کے دن سورۃ آل عمران پڑھتا ہے تو اللہ تعالٰی اور تمام فرشتے غروب شمس تک اس پر رحمتیں بھیجتے رہتے ہیں۔ اور سورۃ مائدہ کے بارہ میں فرمایا کہ جو آدمی اسے پڑھتا ہے تو اسے دنیا میں موجود یہود ونصاری کی تعداد سے دس گناہ زیادہ نیکیاں دی جاتی ہیں۔ اتنے ہی اس کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ اور اسی کے مطابق اسکے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ اور سورۃ ھود کے قاری کے متعلق فرمایا کہ نوح, ھود, صالح, لوط, موسیٰ علیہم السلام کے ماننے والوں کے عدد کے برابر نیکیاں دی جائیں گی۔ اور سورۃ یوسف کے بارہ میں فرمایا کہ

اسے پڑھو جو مسلمان بھی اسے خود پڑھتا اور بچوں کو سکھاتا ہے تو اس پر سکرات الموت آسان کر دیئے جاتے ہیں اور حاسدین کے حسد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اصل مجرم گرفتار

محدث کبیر مومل بن اسماعیل نے اصل مجرم کی تلاش شروع کی۔ چنانچہ سراغ لگاتے لگاتے وہ حدیث ابی بن کعب کے گھڑنے والے اصل مجرم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے ایک استاذ نے حدیث ابی بن کعب سنائی تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے سامنے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے تو انہوں نے کہا۔ رجل بالمدائن دھوجی مدائن شہر کے ایک آدمی نے بیان کی تھی جو کہ ابھی زندہ ہے۔ چنانچہ میں اس تک پہنچا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مجھے واسط کے ایک شیخ نے یہ حدیث سنائی تھی۔ جب میں اس تک پہنچا تو اس نے کہا کہ مجھے بصرہ میں ایک شیخ نے یہ حدیث پڑھائی تھی جب میں بصرہ میں پہنچا تو اس نے کہا کہ عبادان کے ایک شیخ نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے۔ جب میں عبادان کے شیخ پاس پہنچا اور ان سے اس حدیث کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے صوفیوں کے ایک مکان پر لے گئے وہاں پر موجود ایک شیخ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے۔ میں نے اس شیخ سے پوچھا کہ آپ کے پاس یہ حدیث کیسے پہنچی۔ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے یہ حدیث کسی نے بھی بیان نہیں کی بلکہ میں خود اس کا موجد ہوں۔ کیونکہ جب میں نے لوگوں کو دیکھا کہ قرآن کریم سے اعراض کر رہے ہیں تو میں نے یہ حدیث گھڑ ڈالی تا کہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ (الاتقان للسیوطی صفحہ ۱۷۳ جلد ۲)

دیکھا آپ نے کہ کیسے مجرم گرفتار ہوا۔ خیر سے ہے بھی جاہل صوفی۔ اسی لئے امام مسلم رحمہ اللہ کو کہنا پڑا کہ ایسے صوفیوں کی روایات قابل اعتبار نہیں کیونکہ وہ بعض اوقات لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے احادیث گھڑنے سے بھی باز نہیں آتے۔ یہاں تک کہ بعض

ایک بد باطن لوگوں نے سیکڑوں حدیثیں گھڑ ڈالیں اور امت کو مشکل میں ڈال دیا ۔ بھلا ہو آئمہ جرح و تعدیل کا کہ جنہوں نے رات دن ایک کر کے ایسے مجرموں کو تلاش کر کے عوامی عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ **جزاھم اللہ احسن الجزاء**

اقرار جرم

اسی طرح کی ایک حدیث کہ جس میں ہر ہر سورۃ کی فضیلت بیان کی گئی ہے عکرمہ عن ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے ۔ جب اس کے مرکزی راوی نوح بن ابی مریم جن کے بارہ میں مشہور ہے کہ **انه کان جامعاً لکل شئی الا الصدق** کہ ان کے پاس سچائی کے سوا سب کچھ ملتا تھا سے پوچھا گیا کہ جناب یہ روایت آپ نے کہاں سے لی ہے تو موصوف نے اقرار جرم کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہمارا اپنا خود ساختہ شاہکار ہے ۔ اور جعل سازی کی مشین لگانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ قرآن سے اعراض کر کے ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحٰق کے مغازی کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں تو رضائے الٰہی حاصل کرنے کیلئے میں نے احادیث موضوعہ کی فیکٹری لگا دی

(الاتقان صفحہ ۳۴۱ جلد ۲)

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ ہی مصداق ہیں اس ارشاد خدواندی کے **الذین ضل سعیهم فی الحیوۃ الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا**

(سورۃ کہف)

واضح رہے کہ اس قسم کی روایات ثعلبی نے الکشف والبیان میں زمخشری نے کشاف میں نسفی نے مدارک میں ,عبداللہ بن عمر بیضاوی نے انوارالتنزیل میں ۔ ابو اسعود نے ارشاد العقل السلیم میں ذکر کی ہیں ۔ فرق یہ ہے کہ ثعلبی نے ان کی سند ذکر کر کے ساری ذمہ داری ان کے راویوں پر ڈال دی ہے جبکہ باقی حضرات نے ان روایات کو سند کے بغیر بصیغہ جزم ذکر کر دیا ہے جو کہ واقعی خلاف

صواب اور تحقیق کے متصادم طریقہ ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ثعلبی یہ فضائل سورۃ کے شروع میں ذکر کرتے ہیں جبکہ زمخشری اور اسکے ہمنوا سورۃ کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔**لان الفضائل صفات وهي تستدعي الموصوف والموصوف مقدم على صفته**

ان کے علاوہ بھی چند ایسی روایات ہیں جو کہ مختلف سورتوں کے فضائل میں بیان کی جاتی ہیں۔ حالانکہ نبی معصوم کی زبان اقدس سے نکلنے کے بجائے کسی وضاع اور کذاب کی جعل سازی ہے۔ جیسا کہ سورۃ فاتحہ اور چند دیگر آیات کے بارہ میں ہے مثلاً آیت الکرسی اسی طرح شہد اللہ (الایہ) اور قل اللھم مالک الملک الایہ۔ کہ یہ آیات سفارش کریں گی۔ اور ان کے اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوگا انہوں نے نے بوقت نزول عرض کیا تھا اے ہمارے رب آپ ہمیں گناہ گاروں کی طرف اتار رہے ہیں اس پر اللہ تعالی نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی ان آیات کو فرض نماز کے بعد پڑھے گا میں اسے جنت دونگا اور جنت الفردوس اس کا ٹھکانہ ہوگا اور روزانہ اس کی ستر حاجات پوری کرونگا جن میں سے سب ادنی حاجت مغفرت اور بخشش ہے۔

قال ابن حبان

موضوع لااصل له

ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ روایت من گھڑت ہے اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ہے حارث بن عمیر جو کہ ثقہ راویوں کا نام استعمال کرکے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ صفحہ ۱۳۸ جلد ۲)

واقعہ عجیبہ سے عبرت

ابن جوزی کہتے ہیں کہ زمانہ بچپن سے میں نے یہ حدیث سنی تھی اور تیس سال تک یہ میرا معمول رہا۔ جب مجھے اس حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہوا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس پر مجھے ایک آدمی نے کہا کہ ان کا پڑھنا نیکی ہی تو ہے تو میں نے جواب دیا کہ کوئی بھی نیکی اس وقت نیکی بنتی جب کہ اس پر شریعت کی مہر لگی ہوئی ہو اور جو چیز ہو ہی جھوٹ وہ بھلا نیکی اور باعث ثواب کیسے بن سکتی ہے۔ پس جب اس روایت کا من گھڑت ہونا ثابت ہو گیا تو اسے وظیفہ بنانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ (حوالہ بالا)

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے زبردست عبرت ہے جو کہ ہر سنی سنائی بات کو بنیاد بنا کر تحقیق وتثبیت کے بغیر عبادت سمجھ کر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس گمان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم بڑی نیکی کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے توبہ کی توفیق سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ **اللهم اهدنا الصراط المستقيم**۔

فضیلت فاتحہ میں ایک اور موضوع روایت

کہ جب کسی معذب قوم کا بچہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سنتے ہی چالیس سال کے لئے اس قوم سے عذاب اٹھا لیتے ہیں۔ الاسرائیلیات والموضوعات صفحہ ۱۴۴

حالانکہ یہ روایت بکثرت محراب ومنبر کی زینت بنتی رہتی ہے اور پیشہ ور واعظین اسے اکثر بیان کرتے ہیں۔

آیت الکرسی کی من گھڑت فضیلت

حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات مفسرین آیات کے فضائل میں ایسی روایات ذکر کر دیتے ہیں کہ جن سے محدثین بالکل نا آشنا ہوتے ہیں انہیں میں سے وہ دو روایات بھی ہیں جو کہ زمخشری نے اور اس کی اتباع میں نسفی نے مدارک میں درج کر دی ہیں۔

روایت اولی یہ ہے کہ جس مکان میں بھی آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے۔ شیاطین تیس دن تک کے لئے اس مکان سے بھاگ جاتے ہیں۔ اور چالیس رات تک اس مکان پر کسی جادوگر اور جادوگرنی کا اثر نہیں ہوسکتا۔ اے علیؓ اپنے اہل وعیال اور پڑوسیوں کو یہ سورۃ سکھا دے۔ قرآن کریم میں اس سے عظیم آیت نازل نہیں ہوئی

(کشاف صفحہ ۲۷۹ جلد ۱)

اسی طرح اس سے بعد والی روایت ہے کہ ایک دفعہ بعض صحابہؓ کرام میں اس بات پر مذاکرہ ہوا کہ قرآن میں افضل آیت کونسی ہے حضرت علیؓ نے مذاکرہ میں حصہ لیتے ہوئے فرمایا کہ تم آیۃ الکرسی کا ذکر کیوں نہیں کرتے ہو پھر کہنے لگے کہ ایک دفعہ حضور نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے علیؓ سید البشر آدم علیہ السلام ہیں اور سید العرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس پر فخر نہیں ہے۔ فارسیوں کے سردار سلیمانؓ ہیں رومیوں کے سردار صہیب ہیں اور اہل حبشہ کے سردار بلالؓ ہیں اور پہاڑوں کا سردار طور ہے اور سید الایام جمعہ کا دن ہے اور سید الکلام قرآن کریم ہے اور سید القرآن سورۃ بقرہ ہے اور سید البقرہ آیۃ الکرسی ہے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ محدثین ان دونوں روایتوں سے بالکل ناآشنا ہیں۔

سورۃ آل عمران کی من گھڑت فضیلت

جو آدمی جمعہ کے دن وہ سورۃ پڑھتا ہے جس میں آل عمران کا ذکر ہے تو غروب شمس تک اللہ تعالی اور فرشتے رحمتیں بھیجتے رہتے ہیں۔

اور اس روایت کو گھڑنے والا طلحہ بن زید ہے جو کہ وضع حدیث کے حوالہ سے مشہور تھا۔ سلسلہ صفحہ ۴۱۲ جلد ۲

سورۃ واقعہ اور موضوع روایت

اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت انس سے منقول ہے کہ جو آدمی خود سورۃ واقعہ پڑھتا ہے اور اسکی تعلیم دیتا ہے تو وہ غافلین میں نہیں لکھا جاتا اور نہ ہی اسے اور اسکے اہل خانہ کو فقر لاحق ہوتا ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس کا راوی عبدالقدوس متروک ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے ابن مبارک کو عبدالقدوس سے زیادہ کسی کو کذاب کہتے ہوئے نہیں سنا اور ابن حبان نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ صاحب حدیثیں گھڑتے تھے۔

اور حضرت ابن عباسؓ یہ روایت اسطرح منقول ہے کہ جو آدمی ہر رات سورۃ واقعہ پڑھتا ہے تو اسے کبھی فاقہ لاحق نہیں ہوتا اور جو ہر رات لا اقسم بیوم القیامہ پڑھتا ہے تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا

امام سیوطی کہتے ہیں کہ اس روایت کا راوی احمد نامی کذاب ہے۔

سلسلہ صفحہ ۳۰۵ جلد ۱

فضیلت سورۃ اخلاص

جو آدمی دو سو دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے تو اسے اللہ تعالی ڈیڑھ ہزار نیکیاں عطا کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس پر قرض نہ ہو۔

ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے اس کا راوی حاتم کسی صورت میں بھی قابل احتجاج نہیں۔

سلسلہ صفحہ ۳۱۴ جلد ۱

فضیلت قرآۃ قرآن کریم

جو آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے دوسو دینار ملیں گے اگر دنیا میں نہ ملے تو آخرۃ میں ضرور ملیں گے ۔ یہ روایت بھی موضوع ہے ۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے کیونکہ اسکی سند میں عمرو ہے جو کہ کذاب ہے اور دوسری سند میں عبدالمالک ہے وہ بھی کذاب ہے ۔ (سلسلہ صفحہ ۱۰۱ جلد ۲)
نامعلوم ایسے کذاب راویوں کی روایات سے صفحات سیاہ کرنے کا کیا فائدہ

اسی طرح بعض کتب تفسیر میں مذکور اسمائے اصحاب کہف کی تفصیلات اور ان کی فضیلت سورۃ مریم میں واقعہ مریم کے تحت درج واقعات اور حدیث فتون جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وغیرہ اسرائیلیات ,موضوعات اور ضعاف کے قبیل سے ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے

ضروری تنبیہ

واضح رہے کہ ہم نے یہاں صرف وہ روایات ذکر کی ہیں جنہیں موضوع کہا گیا ہے ۔ سورتوں کی فضیلت میں پائی جانے والی ضعیف روایات سے ہم نے تعرض نہیں کیا ۔ اور نہ ہی انہیں یہاں ذکر کیا ہے ۔ کیونکہ اس کتاب کا موضوع صرف مشہور اسرائیلیات اور موضوعات ہی کا تعین اور نشاندہی کرنا ہے

چوری پھر سینہ زوری

ہم اس بحث کا خاتمہ ایک ایسے مجرم کے واقعہ پر کر رہے ہیں جو کہ چور بھی ہے اور آنکھیں بھی دکھاتا ہے ۔ ہر زمانہ میں ایسے جعل ساز اور فراڈی وافر مقدار میں موجود رہے ہیں

اعاذنااللہ منھم

وہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل اور یحی بن معین ایک مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے گئے تو

وہاں پر موجود ایک واعظ نے کھڑے ہو کر ایک روایت بیان کرنا شروع کردی اور اس نے سندیوں بیان کی کہ حدثنا احمد بن حنبل و یحی بن معین قالا انبانا عبدالرزاق قال ابنانا معمر عن قتادہ عن انسؓ اس کے بعد کلمہ طیبہ کی فضیلت میں تقریبا بیس صفحات کی ایک طویل روایت بیان کردی یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے یحی بن معین نے امام احمد سے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے یہ حدیث سنائی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ واللہ ماسمعت بہ الا ھذہ الساعۃ یعنی بخدا میں نے تو یہ روایت اس سے پہلے سنی بھی نہیں ۔ پھر امام یحی نے اس واعظ سے پوچھا **من حدثك بهذا الحديث** ؟ کہ تجھے یہ حدیث کس نے سنائی ہے ۔ تو اس نے جواب دیا کہ احمد بن حنبل اور یحی بن معین نے ۔ انہوں نے کہا کہ میں یحی بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں ۔ ہم نے آج تک یہ حدیث سنی بھی نہیں تھی ۔ بیان کیسے کرتے اگر تو نے جھوٹ بولنا ہی ہے تو ہمیں معاف رکھ کسی اور کی طرف منسوب کر ۔ تو اس واعظ نے جواب دیا کہ اچھا تم یحی بن معین ہو ۔ میں کب سے سنا کرتا تھا کہ یحی بن معین احمق اور بے وقوف ہے ۔ آج تو مجھے یقین ہو گیا ۔ یحی بن معین نے پوچھا کہ وہ کیسے ؟ تو اس نے کہا کہ وہ اسطرح کہ تمہارے خیال کے مطابق دنیا میں آپ کے علاوہ کوئی یحی بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہیں ۔ حالانکہ ایسا نہیں اس پر احمد بن حنبل نے یحی بن معین سے کہا کہ اٹھو اور اس مصیبت سے جان چھڑاؤ ۔

لیکن وہ مکار ان بزرگوں سے پہلے ہی ان کا مزاح اڑاتے ہوئے اٹھ کر چلتا بنا

امام قرطبی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگوں ایسے دشمنان دین اور زندیق لوگوں سے بچو جو کہ ترغیب وترہیب کے باب میں احادیث گھڑ گھڑ کر حضور کے ذمے لگاتے ہیں ۔ اور سادہ لوح لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی روایات کو قبول کر لیتے ہیں ۔

(البیان فی علوم القرآن صفحہ ۲۷۰)

کلمة الفصل

کسی کو یہ وہم نہیں ہونا چاہئے کہ جن کتب تفسیر کے حوالہ سے یہاں چند موضوع روایات ذکر کی گئی ہے کہ ان میں تمام فضائل کی احادیث موضوع ہیں۔ کیونکہ ایسی بات تو علم حدیث سے ادنی سا تعلق رکھنے والا بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ان کتب میں اعلی درجہ کی صحاح احادیث بھی موجود ہیں مثلاً زمخشری نے جو حدیث ذکر کی ہے من قرء الآیتین من آخر سورة البقرة فی لیلة کفتاہ۔ کہ جو آدمی رات کو سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیتا ہے تو وہ اسے کافی ہو جاتی ہیں۔

یہ حدیث بخاری ومسلم کی ہے۔ اس طرح یہ روایت کہ سورۃ بقرہ کی آخری آیات جو مجھے دی گئی ہیں عرش کے خزانوں میں سے ہیں مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں اسے نسائی اور احمد نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں کہ زمخشری وغیرہ نے ابی بن کعب سے جتنی روایات نقل کی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہے بلکہ ان روایات میں صحیح بھی ہیں اور حسن بھی مثلاً زمخشری نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے آخر میں حدیث ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے ابی بن کعب سے کہا کہ کیا میں تجھے ایک ایسی سورۃ نہ بتاؤں کہ اس جیسی سورۃ نہ توراۃ میں نازل ہوئی ہے اور نہ انجیل اور نہ قرآن میں۔ میں نے عرض کیا ضرور بتایئے تو آپ نے فرمایا کہ وہ فاتحہ الکتاب ہے۔ وہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دی گئی ہے۔ اس حدیث ابی کو ترمذی نے حسن صحیح کیا ہے اور حاکم نے علی شرط مسلم قرار دیا ہے

فضائل میں قابل اعتماد تفسیر

احادیث فضائل میں صحیح اور غیر صحیح کو معلوم کرنے کے لئے سب سے قابل اعتماد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر ابن کثیر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن سورتوں کی فضیلت کے بارہ میں صحیح احادیث ہیں وہ صرف یہ ہیں۔ فاتحہ۔ سبع طوال۔ کہف۔ یسین۔ دخان۔ الملک۔ الزلزلۃ۔ النصر۔ الکافرون۔ الاخلاص۔ معوذتین بلکہ احادیث فضائل میں سے سب سے واضح حدیث وہ ہے جو کہ سورۃ اخلاص کے بارہ میں وارد ہے۔ علاوہ ازیں فضائل سورہ میں بعض احادیث حسان اور ایسی ضعاف بھی ہیں جو کہ فقط حد وضع تک نہیں پہنچیں جن سے احتراز بہرحال اولیٰ ہی نہیں بلکہ ضروری ہے

(باب ثالث)

اسباب نزول اور موضوعات

اب کچھ ایسی موضوع روایات ذکر کی جاتی ہیں جن کا تعلق اسباب نزول کے ساتھ ہے۔ ان میں سے بعض روایات تو ایسی بدیہ البطلان ہیں کہ ان کا باطل و موضوع ہونا ہر آدمی جان سکتا ہے۔ خواہ وہ ماہر فن ہو یا نہ ہو جیسے قصہ غزانیق اور قصہ نکاح النبی مع زینب بنت جحش کے سلسلہ میں پائے جانے والی بے سروپا روایات جن کی تفصیل اپنے مقام پر آ رہی ہے۔ اور بعض ایسی روایات ہیں کہ جن کا موضوع اور نا قابل اعتبار ہونا حافظ ناقد اور ماہر فن ہی بتا سکتا ہے۔ ایسے مقام پر ان شاء اللہ کسی ماہر فن سے استفادہ کی جائے گا۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اب بالترتیب چند مقام تحریر کیئے جاتے ہیں۔

(۱) واذالقواالذین آمنوا الایہ البقرہ.آیت نمبر14

بعض لوگ اس آیت کا یہ شان نزول بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے بارہ میں نازل ہوئی۔ کہ وہ ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ کہ سامنے سے چند صحابہ کرامؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ چنانچہ رئیس المنافقین کہنے لگا کہ دیکھنا کہ میں ان بے وقوفوں کو کیسے خوش کر کے ٹالتا ہوں۔ چنانچہ اس نے صدیق اکبرؓ کا ہاتھ پکڑا کر اور کہنے لگا مرحبا بالصدیق۔ صدیق کے کیا کہنے یہ تو قبیلہ بنو تمیم کے سردار رسول اللہ کے یار غار ہیں پھر حضرت عمر فاروق کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا مرحبا بالفاروق۔ پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ مرحبا با بن عم النبی آپ تو حضور کے داماد اور حضور کے بعد بنو ہاشم کے سردار ہیں۔ جب صحابہؓ آگے چلے گئے تو منافق نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھا تم نے کہ میں نے انہیں کیسے خوش کر دیا۔ پس تم بھی بوقت ملاقات ایسے ہی کیا کرو۔

لیکن یہ روایت سنداً و متناً نا قابل اعتبار ہے۔

سند اسطرح کہ اس کی سند کچھ یوں ہے۔محمد بن مروان السدی الصغیر عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباسؓ

تعارف محمد بن مروان سدی صغیر

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ جب کلبی سے محمد بن مروان السدی الصغیر روایت کریں تو اس سند کو محدثین سلسلۃ الکذب قرار دیتے ہیں اسلیئے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ یہ مشہور مورخ کلبی کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ لا یکتب حدیثہ البتۃ ان کی احادیث ہرگز نہ لکھی جائیں۔ امام ابن معین کا ارشاد ہے لیس بثقۃ وہ ثقہ نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں ادرکتہ وقد کبر فترکتہ میں نے ان کو اس وقت پایا جب وہ بوڑھے ہو چکے تھے لہذا میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ حافظ ذہبیؒ ان کے بارہ میں فرماتے ہیں ترکوہ واتھمہ بعضھم بالکذب۔ محدثین نے انہیں چھوڑ دیا اور بعض لوگوں نے ان پر جھوٹ کا الزام بھی لگایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر ان کے بارہ میں لکھتے ہیں واہ بمرۃ انتہائی واہیات راوی ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں متروک الحدیث۔ ابوعلی صالح بن محمد کہتے ہیں کان ضعیفا وکان یضع الحدیث ضعیف تھے اور حدیثیں بھی گھڑا کرتے تھے۔ اور علامہ سیوطی نے اس کی سند کو سلسلۃ الکذب قرار دیا ہے

تعارف کلبی

اس سند کے دوسرے راوی کلبی ہیں جو کہ محمد بن مروان کے استاذ ہیں علماء ان کے ضعیف اور نا قابل اعتبار ہونے پر متفق ہیں۔ ان پر سب سے سنگین الزام جھوٹی روایتیں بیان کرنے کا ہے۔معمر بن سلیمان اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ کوفہ میں دو کذاب تھے۔ ان میں سے ایک کلبی ہیں۔ تفسیر میں ان کی بیشتر روایات ابو صالح سے ہیں۔ لیکن ابو جناب کلبی بیان کرتے ہیں کہ ابو

صالح نے قسم اٹھا کر کہا ہے کہ میں نے کلبی کو کوئی بات تفسیر کی نہیں سنائی ۔ اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کلبی نے ایک دفعہ خود اعتراف کیا کہ میں نے ابو صالح سے ابن عباس کی کو جو روایتیں بیان کی ہیں وہ جھوٹ ہیں تم انہیں روایت نہ کرو حضرت قرۃ بن خالد کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال عام طور سے یہ تھا کہ کلبی جھوٹ بولتے ہیں ۔

ان پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ انتہائی غالی شعیہ تھے ۔ حضرت ابو جزء کہتے ہیں کہ میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور کے پاس وحی لے کر آئے تھے ۔ آنحضرت ﷺ کسی کام سے اٹھ کر چلے گئے ۔ حضرت علیؓ وہاں بیٹھے تھے تو جبرئیل علیہ السلام نے وہ وحی حضرت علیؓ پر نازل کردی ابو جزء کا یہ قول جب مشہور محدث یزید بن زریع کے سامنے نقل کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے کلبی سے یہ بات تو نہیں سنی لیکن یہ میں نے خود دیکھا کہ وہ سینہ پیٹ پیٹ کر کہہ رہے تھے کہ میں سبائی ہوں میں سبائی ہوں ۔ یہی قول حافظ ذہبیؒ نے ہمام سے بھی نقل کیا ہے کہ میں نے اسے کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں سبائی ہوں اور امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ کلبی سبائی تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو کہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی وفات نہیں ہوئی ۔ وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اس کو ایسے وقت میں عدل وانصاف سے بھر دیں گے جب کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی ۔ یہ لوگ جب کوئی بادل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ امیر المومنین اس میں ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ کلبی قرون اولی کے مفسرین میں سے ضعیف ترین مفسر ہیں امام احمد سے پوچھا گیا ۔ کیا کلبی کی تفسیر کو دیکھنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں حافظ ذہبی ان کا طویل تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ لایحل ذکرہ فی الکتب فکیف الاحتجاج بہ ۔ کتابوں میں ان کا ذکر کرنا درست نہیں تو ان سے استدلال کیونکر درست ہوسکتا ہے ۔ علوم القرآن صفحہ ۴۸۸ ۔ ۴۹۷ ۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس سند میں سدی صغیر اور کلبی جیسے ساقط راوی ہوں وہ کیسے قابل اعتبار ہوسکتی ہے ۔

اور متناً یہ روایت اس لئے مخدوش ہے کہ سورۃ بقرہ ہجرت کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی جبکہ حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہ کے ساتھ نکاح دو ہجری میں ہوا ہے۔ یہی ایک علامت اس کے موضوع ہونے کے لئے کافی ہے۔ بھلا جو روایت سنداً و متناً مخدوش ہو کیسے قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔

۲۔ انما ولیکم الله ورسوله والذین آمنو تا ویوتون الزکوة وهم راکعون الایة ۔ (المائده)

علامہ زمحشری نسفی، خازن وغیرہ نے اس کا شان نزول کچھ یوں ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ چنانچہ انہوں نے نماز کے دوران ہی اپنی انگوٹھی اتار کر اس کی طرف پھینک دی جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ روایت موضوع ہے اور اس کے گھڑنے کا سہرا اس کے راوی عیسی بن عبداللہ کے سر ہے جو کہ اپنے باپ کے نام دادا سے موضوع روایتیں گھڑتا تھا۔

میزان الاعتدال صفحہ ۳۱۵ جلد ۳،

جب کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ روایت کسی سند سے بھی صحیح نہیں اور نہ ہی خاص حضرت علیؓ کی فضیلت میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ اور ان لوگوں (روافض) نے جو یہ بات پھیلا رکھی ہے کہ یہ آیت انما انت منذر ولکل قوم ھاد اور یطعمون الطعام علی حبہ مکسینا و یتیما و اسیرا اور اسی طرح آیت اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الاخر۔

اسی طرح کچھ اور آیات حضرت علیؓ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں اور اسی طرح ابن عباسؓ کا یہ قول کہ حضرت علی کے بارہ میں جتنا قرآن نازل ہوا ہے اتنا کسی کے بارہ میں نازل نہیں ہوا۔ نیز یہ روایت کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں تین سو آیات نازل ہوئیں ان میں سے ایک روایت

بھی صحیح نہیں نہ یہ اور نہ وہ البدایہ والنھایہ صفحہ ۳۵۸ جلد ۷
یہی وجہ ہے کہ ابن جوزی نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔
ویسے بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کی نماز انتہائی خشوع و خضوع والی ہوتی تھی۔ نماز میں غیر نماز کے ساتھ اشتغال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں رکوع سے مراد نماز والا رکوع نہیں بلکہ رکوع کا لغوی معنی مراد ہے والرکوع ھنا علی معنا اللغوی وھوالخشوع الخضوع۔ یعنی اس آیت کریمہ میں رکوع سے مراد نماز والا رکوع نہیں بلکہ رکوع کا لغوی معنی مراد ہے جو کہ خشوع وخضوع ہے کہ وہ ادائیگی زکوۃ کے وقت ڈرتے رہتے تھے۔

۳۔ولا تطرد الذین یدعون ربھم الایہ الانعام

ابن جریر اور علامہ آلوسی وغیرہ نے خباب بن ارت کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن الفزاری خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ کو صہیب، بلال، عمار اور خباب رضی اللہ عنھم جیسے غریب صحابہ کے پاس بیٹھے ہوئے پایا۔ بوجہ حقارت کہنے لگے ہم تو ان ضعفاء سے الگ بیٹھک چاہتے ہیں تا کہ اہل عرب پر ہماری فضیلت ظاہر ہو سکے۔ کیونکہ آپ کے پاس عرب کے وفود آتے رہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہمیں ان کمزور اور غریب لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھ لیں۔ لہذا جب ہم آپ کی خدمت میں آجایا کریں تو انہیں اٹھا دیجیئے۔ جب ہم فارغ ہو جائیں تو انہیں پھر بٹھا لیجیئے۔ آپ نے حامی بھر لی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کی تحریر دے دیجیئے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو تحریر کیلیئے بلا لیا۔ جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت کیا بلکہ پوری سورۃ انعام مکی ہے۔ جبکہ اقرع اور عیینہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ اور مولفین قلوب میں سے ہیں لہذا آیت مذکورہ کا نزول ان کے مقالہ کی وجہ سے ماننا درست نہیں۔
بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ مطالبہ مشرکین مکہ نے کیا تھا چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

٤۔ قصہ غرانیق من گھڑت ہے

وما ارسلنا من قبلک من رسول و لا نبی الایہ (حج)

بہت سے مفسرین نے اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک انتہائی مضحکہ خیز اور مخالف عقل ونقل قصہ ذکر کیا ہے۔ اسے قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے اعراض اور دشمنی کی وجہ سے بہت پریشان رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنی قوم کے ایمان کی خواہش کی وجہ سے اس بات کی تمنا کی کہ کاش کہ اللہ تعالی کی طرف سے کوئی ایسی آیت نازل ہو جائے جو کہ میری قوم کے نزدیک آنے کا ذریعہ بن جائے۔

چنانچہ ایک دن آپ قریش کی مجلس میں بیٹھے تھے اس دن بھی آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالی کی طرف سے کوئی ایسی چیز نازل نہیں ہونی چاہیے جو کہ میری قوم کے لئے نفرت کا باعث بن جائے اور اس دوران سورۃ نجم کا نزول شروع ہو گیا۔ آپ جب سورۃ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے افرائتیم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری تک پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کروا دیئے۔ تلک الغرانیق العلی ان شفاعتھن لترتجی ۔ یعنی ہمارے معبود بہت بلند مرتبہ ہیں۔ آڑے وقت میں ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ چنانچہ قریش آپ کی زبان سے اپنے معبودان باطلہ کی تعریف سن کر بہت خوش ہوئے۔ جب آپ نے سورۃ مکمل کر کے سجدہ تلاوت کیا تو مجلس میں موجود مسلمانوں کے ساتھ سب مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ سوائے دو بڈھوں کے کہ ان بوڑھوں نے بڑھاپے کی وجہ سے سجدہ کرنے کے بجائے مٹی اٹھا کر اپنے ماتھے سے لگا دی۔ اس کے بعد مشرکین یہ کہتے ہوئے انتہائی خوشی کے ساتھ منتشر ہو گئے کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خداؤں کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے۔ شام کو جبرئیل آئے اور کہنے لگے کہ آج آپ نے کیا کر دیا۔ آپ نے تو لوگوں کو وہ بات سنا

دی جو نہ میں لایا اور نہ ہی آپ کو سنائی اس پر آپ بہت زیادہ پریشان ہو گئے وخاف من اللہ خوفا عظیما چنانچہ اس وقت اللہ تعالی نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی یعنی وما ارسلنا من قبلک الا یہ کبیر ۴۹ جلد ۲۳

اور اس واقعہ کو مہاجرین حبشہ کی واپسی کا سبب بیان کیا جاتا ہے کہ جب حبشہ میں انہیں اس اجتماعی سجدے کا علم ہوا تو وہ اسے صلح سمجھ کر واپس آ گئے۔

اقوال آئمہ کرام

امام رازی

فرماتے ہیں کہ یہ شان نزول ظاہر بین مفسرین کا بیان کردہ ہے ورنہ محققین علماء کے نزدیک فیصلہ یہ ہے کہ ھذہ الروایۃ باطلۃ موضوعۃ یہ روایت باطل اور موضوع ہے اگلے صفحہ پر پھر فرماتے ہیں ان ھذا القصۃ موضوعۃ اس قصہ کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں

امام ابن خزیمہ صاحب الصحیح

سے اس قصہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ھذا وضع من الزنادقۃ و صنف فیہ کتابا یہ زندیقوں کا گھڑنتوں قصہ ہے اور اس مسئلہ میں ابن خزیمہ نے مستقل کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ کبیر صفحہ ۵۰ جلد ۲۳

امام بیہقی

فرماتے ہیں ھذہ القصۃ غیر ثابتۃ من جھۃ النقل۔ یہ قصہ نقل کے اعتبار سے ثابت نہیں پھر امام بیہقی نے اس قصہ کے رواۃ کا مطعون و مجروح ہونا ثابت کیا ہے (حوالہ بالا)

امام آلوسی

فرماتے ہیں کہ قد انکر کثیر من المحققین هذ القصة اس قصہ کا بہت سے محقق علماء نے انکار کیا ہے۔ پھر اس کے بعد بہت سے علماء کے اقوال درج کیئے ہیں
روح صفحہ ۱۷۷ جلد ۱۷

قاضی عیاضؒ

فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے واہی ہونے کیلیئے یہی کافی ہے کہ اہل صحت میں سے کسی نے اسے اپنی کتاب میں درج نہیں کیا اور نہ ہی ثقہ راویوں نے اسے صحیح سلیم متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے بلکہ اس قصہ اور اس جیسے اور قصوں کو روایت کرنے کا شوق صرف انہیں مفسرین اور مورخین کو ہے جو کہ ہر غریب بات کو اچک لیتے ہیں۔ اور سابقہ کتب و صحف سے ہر صحیح و بیمار قول کو لے لیتے ہیں۔ (بحوالہ بالا)

امام ابو منصور ماتریدیؒ

فرماتے ہیں کہ جملہ تلک الغرانیق کا تعلق اس وحی شیطانی سے ہے جو کہ وہ اپنے زندیق حواریوں کے دلوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے ضعیف اور کمزور عقیدے والے لوگوں کے دلوں میں صحت دین کے بارہ میں شکوک شبہات ڈال سکے ورنہ حضرت رسالتمآب کا دامن اس جیسے واقعات سے بری ہے (حوالہ بالا)

علامہ آلوسی کا تفصیلی اور جرات مندانہ فیصلہ

سچ یہ کہ اس حدیث کو صحیح ثابت کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ کیونکہ جن جلیل القدر علماء نے اس روایت پر جرح کی ہے وہ روایات کے کھوٹا کھرا ہونے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ پوری تحقیق کے بعد انہوں نے اس روایت کے مردود ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اسے وحی شیطانی کہا ہے۔ جبکہ ان علماء کی تعداد اس روایات کو ماننے والوں کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔ ظن غالب یہی ہے کہ انہوں نے روانیت ھذا کے تمام طرق کو سامنے رکھ کر ہی اس کے رواۃ کے مجروح ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے بعد علامہ آلوسیؒ قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ اس روایت کے بارہ میں یہ کہنا کہ اسے شیطان لعین نے بعض راویوں کی زبان پر جاری کر دیا ہے بنسبت اس کے زیادہ آسان ہے کہ یہ کہا جائے کہ شیطان لعین نے اسے حضور کی زبان پر جاری کر دیا تھا۔ خصوصاً جبکہ اس روایت کی صحت پر نہ

تو کوئی دینی امر موقوف ہے اور نہ ہی کسی آیت کا سمجھنا۔ ہاں اس کا ایک فائدہ ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روایت سے ضعیف مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ضرور پیدا ہونگے۔ جن کا دور کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اس روایت کے عدم ثبوت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ قرآنی آیات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی قرآن کریم کی وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولامن خلفہ جبکہ اس واقعہ کا باطل ہونا ظاہر و باہر ہے۔ تھوڑا سا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اس روایت کے جھوٹا ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ مشائخ کبار میں سے کسی نے بھی اس روایت کو صحاح ستہ وغیرہ میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ یہ قصہ ایک عجیب و غریب مضمون پر مشتمل ہے۔ اور طبعیتیں کسی بھی عجیب و غریب بات کو سننے اور روایت کرنے کی مشتاق رہتی ہیں۔ جبکہ بخاری مسلم۔ ابوداؤد ترمذی نسائی وغیرہ نے صرف سورۃ نجم کی قرآۃ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کے سجدہ کا ذکر کیا ہے۔ اگر تلک الغرانیق والی روایت صحیح ہوتی تو یہ بھی ذکر کر دی جاتی۔

روح صفحہ ۱۸۳ جلد ۱۷

امام قرطبیؒ

فرماتے ہیں لیس منہا شئی یصح اس واقعہ میں ذرہ بھر بھی صحت نہیں

قرطبی صفحہ ۸۰ جلد ۱۲

علامہ خازنؒ

لکھتے ہیں کہ نہ ہی کسی صحیح راوی نے اسے روایت کیا ہے اور نہ ہی کسی ثقہ راوی نے سند صحیح متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے (خازن)

ایک اور انداز سے

ان اساطین علم کی تصریحات کے بعد اب ہم تھوڑا سا آگے بڑھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ علماء کے یہ فیصلے بالکل درست ہیں کیونکہ قرآن کریم حدیث رسول اور نظر وفکر بھی اس واقعہ باطلہ کی تردید کرتے ہیں۔

قرآنی آیات

اگر حضور علیہ السلام پر زیادتی قرآن کے حوالہ سے شیطانی تسلط مان لیا جائے تو ان آیات کا کیا بنے گا کہ ایک آیت کریمہ میں فرمایا گیا۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ اے شیطان میرے خاص بندوں پر تیرا تسلط ممکن نہیں۔ انبیاء علیھم السلام خصوصاً امام الانبیا علیہ السلام سے بڑھ کر وصف عبودیۃ کا مصدا ق کون ہوسکتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا گیا انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنو و علی ربھم تیوکلون۔ شیطان مومنین اور متوکلین علی اللہ پر بالکل غلبہ نہیں پا سکتا۔ بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون صادق الایمان اور متوکل علی اللہ ہوسکتا ہے۔ ایک اور مقام پر شیطان کا منقولہ نقل کیا گیا ہے۔ **فبعزتك لا غوينهم اجمعين الا عبادك منهم المخلصين** ۔ اور یہ بات واضح ہے کہ نبی سے بڑھ کر کسی میں اخلاص نہیں ہوسکتا۔ اس طرح سورۃ الحاقہ میں فرمایا گیا۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذ نا منہ بالیمین ثم لقطعنا بالوتین اگر یہ پیغمبر ہم پر کوئی بات بنالیتا یعنی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اس کا داہناں ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے یہ بات کہنا کہ یہ الفاظ آپ کی زبان پر جاری ہوئے تھے بڑے دل گردے کی بات ہے۔

اس کے علاوہ خود سورۃ نجم میں آیت کریمہ ہے وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی اگر اس آیت کی تلاوت کے فوراً بعد آپ کی زبان اقدس سے تلک الغرانیق کا صادر ہونا مان لیا جائے تو اس آیت کا کذب ہونا لازم آتا ہے۔ جس کا

کوئی مسلمان بھی قائل نہیں ہے۔

ایک اور آیت سنیئے۔سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وان کـــــادو **الیفتنو نلک عن الذی اوحینا الیك تا لقد کدت ترکن الیھم شیا قلیلاً** (ترجمہ) یہ لوگ آپ کو (اے پیغمبر) اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے ہیں کہ آپ اس کے علاوہ کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑ لیں۔ تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا ولی دوست بنا لیتے سامعین قرآنی پیغام واضح ہے کہ نبی علیہ السلام حفاظت وتشبیت ربانی کی وجہ سے کفار کی طرف رکون اور جھکاؤ تو کیا قرب رکون سے بھی محفوظ ومعصوم تھے۔جبکہ یہ واقعہ رکون اور جھکاؤ تو کیا العیاذ باللہ افتراعلی اللہ کو بھی ثابت کر رہا ہے۔

آیات قرآنیہ کے بعد اب حدیث رسول کی طرف آیئے۔ بخاری وغیرہ میں مذکور روایات کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مکہ میں سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی ۔یہ پہلی سورت تھی جس میں سجدے کا حکم تھا۔آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ اس موقعہ پر موجود تمام مسلمانوں اور کفار نے بھی سجدہ کیا ۔کتب صحاح میں تلک الغرانیق کا کوئی تذکرہ نہیں۔اگر کوئی بات ہوتی تو ضرور ذکر کی جاتی۔جیسا کہ علامہ آلوسی کے حوالہ سے یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

فائدہ

مسلمانوں کا سجدہ تو اتباع امر الہیٰ کے طور پر تھا۔اب سوال یہ ہے کہ کفار نے سجدہ کیوں کیا تو اس کے متعدد حل نقل کیئے گئے ہیں۔سب سے آسان اور واضح حل یہ ہے کہ کفار کا سجدہ بلاغت قرآنیہ اور فصاحت رحمانیہ سے متاثر ہوکر تھا۔کہ قرآنی فصاحت وبلاغت سے متاثر ہوکر بے اختیار سجدہ میں گر گئے۔

قرآن وحدیث کے علاوہ نظر وفکر بھی اس واقعہ کی تردید کر رہی ہے۔اولاً اس طرح کہ اگر اس واقعہ کو درست مان لیا جائے تو لازم آئے گا حضور علیہ السلام نے بتوں کی تعظیم کی ہے جو کہ صریح کفر ہے۔کیونکہ یہ بات سورج سے بھی زیادہ واضح ہے کہ آپ کی زندگی کا بڑا مقصد بتوں کی نفی کر کے تردید شرک اور اثبات

توحید کا کام تھا۔

ثانیاً اسطرح کہ اگر یہ واقعہ درست مان لیا جائے تو پھر پوری شریعت بلکہ انبیاء سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس مقام کی طرح باقی آیات واحکام شرعیہ میں بھی شیطان نے مداخلت کی ہو اور پیغمبر کی زبان سے اپنے گندے نظریات جاری کروادیئے ہوں۔

ثالثاً اگر یہ قصہ صحیح مان لیا جائے تو اس مقام پر قرآنی آیات میں نہ صرف ربط مفقود ہو جائے گا۔ بلکہ تضاد ثابت ہو جائیگا۔ ماقبل و مابعد میں مناسبت نہیں رہے گی۔ بلکہ نظم قرآنی میں خلل واقع ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک طرف تو قرآن لات وعزا اور منات کی تردید کر رہا ہے۔ پھر آگے چل کر قرآن بتاتا ہے کہ یہ محض نام ہیں جو تم نے گھڑ لیئے ہیں ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اور درمیان میں ان کی تلک الغرانیق کے عنوان سے تعریف آجائے تو ایسا تضاد تو کسی عام آدمی کے کلام میں بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ کلام ربانی میں یا کہ اعقل الناس نبی رحمت کے کلام میں آجائے۔ لہذا ہمیں کہنے دیجیئے۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم۔

ایک اور انداز سے اس قصے کے تمام طرق پر نظر ڈالنے سے جو اضطراب اور تضاد سامنے آتا ہے وہ بھی بآواز بلند اس قصے کے من گھڑت ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔

مثلاً ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ نماز کے دوران پیش آیا ایک روایت میں ہے کہ ایک مجلس میں پیش آیا۔

جبکہ تیسری روایت کہتی ہے کہ حالت اونگھ میں آپ کی زبان پر یہ لفظ جاری ہو گئے۔ جبکہ چوتھی روایت کہتی ہے کہ سہواً آپ کی زبان پر جاری ہو گئے۔ اور پانچویں روایت کے مطابق شیطان نے آپ کی زبان سے یہ لفظ جاری کروادئے تھے بعد میں جبرئیل کی تنبیہ پر چھوڑ دیئے۔ جبکہ چھٹی روایت میں کہ آپ نے اپنی زبان سے یہ لفظ نہیں کہے بلکہ شیطان نے لوگوں کو باور کروادیا تھا کہ آپ نے یہ لفظ پڑھے ہیں۔ اتنے شدید اضطراب واختلاف ہوتے ہوئے کونسا

شریف آدمی اس واقعہ کو صحیح مان سکتا ہے۔(اسرائیلیات وموضوعات)

خلاصہ بحث

لہذا جب یہ قصہ نہ نقلاً صحیح ہے اور نہ عقلاً بلکہ قرآن وسنت اور نظر وفکر کے بھی خلاف ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ یہ قصہ گھڑنتو ہے۔ یہ ان زندیقوں کی جعل ساز فیکٹری میں تیار ہوا ہے کہ جن کا مقصد فساد فی الدین اور خاتم الانبیاء کی ذات اقدس پر طعن کے سوا اور کچھ نہیں اعاذنا اللہ منھا

ایک قابل افسوس پہلو

اس بحث کا قابل افسوس پہلو یہ ہے کہ اس واقعہ کو صحیح ماننے والوں میں ایک ایسی شخصیت بھی آ گئی ہے کہ علمی دنیا میں جسے نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ اور وہ شخصیت ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی چنانچہ حافظ صاحبؒ فتح الباری صفحہ ۴۳۵ جلد ۸ پر فرماتے ہیں کہ یہ روایت باقی طرق کے علاوہ ایسے دو طرق سے بھی مروی ہے جو کہ مرسل ہیں اور صحیح ہیں۔ لہذا یہ واقعہ درست ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ پھر چونکہ کوئی مسلمان بھی اس واقعہ کو ظاہر پر محمول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس سے یہ بات محال ہے کہ آپ ﷺ عمداً یا سہواً غیر قرآن کو قرآن کا حصہ بنا دیں اس لئے حافظ صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کو تاویل کرتے ہوئے یہ کہنا پڑا کہ ایک دفعہ آپ ﷺ ترتیل کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرر ہے تھے اور شیطان تیار بیٹھا تھا جیسے ہی آپ ﷺ نے سکتہ اور خاموشی اختیار کی تو اس نے فوراً آپ جیسی سر میں یہ کلمات کہہ ڈالے جس سے قریب بیٹھنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کلمات آپ ﷺ کی زبان سے جاری ہوئے ہیں۔

جمہور کی طرف سے جوابات

جمہور علماء کرام نے حافظ صاحب کے اس نظریہ کے متعدد جواب دیئے ہیں

اول یہ کہ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل حجت ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کی ایک ضعیف قسم ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بات ممکن ہے کہ ساقط راوی شاید غیر صحابی ہو۔ پھر اس راوی میں ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے دونوں احتمال موجود ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ راوی کذاب ہو یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے بھی مقدمہ مسلم میں یہ فیصلہ درج کیا ہے کہ ہمارے اور اہل علم کے اصول کے مطابق مرسل حجت اور دلیل نہیں ہے۔ واضح رہے کہ جن علماء وائمہ کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے وہ بھی مطلقا اس کی حجیت کے قائل نہیں بلکہ اس کی بھی متعدد شرطیں ہیں جو کہ کتب اصول میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ثانی یہ کہ بصورت تسلیم حدیث مرسل صرف ان فرعی مسائل میں دلیل بن سکتی ہے کہ جن کے ثبوت کے لئے ظنی دلیل بھی کافی ہوتی ہے۔ لیکن کسی ایسی بات کو ثابت کرنے کے لئے جو کہ نہ صرف عقیدہ اسلام کے متصادم ہو بلکہ عصمت انبیاء کے بھی منافی ہو تو یہ بات کسی قیمت پر بھی نہیں مانی جاسکتی۔ جبکہ اہل فن نے تصریح کی ہے کہ خبر واحد اگر چہ صحیح بھی ہو تب بھی عقیدہ کے سلسلہ میں وہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اثبات عقیدہ کے لئے دلیل قطعی ویقینی کا ہونا ضروری ہے جبکہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے۔ تو جب خبر واحد صحیح ہونے کے باوجود عقیدہ کے باب میں دلیل نہیں بن سکتی تو حدیث مرسل جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے کیسے دلیل بن سکتی ہے۔

ثالث یہ کہ حافظ صاحبؒ کی تاویل بھی محل نظر ہے۔ اگر یہ تاویل مان لی جائے تو چور بازاری کا ایک خطرناک دروازہ کھل جائے گا اور پورے قرآن سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ کما ھو الظاہر کہ اگر شیطان نے آپ جیسی آواز نکال کر یہ کلمات کہہ دئے تھے تو آپ نے فوراً تردید کیوں نہیں کی یہ میرے الفاظ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ بات فوری طور پر واجب الرد تھی اگر آپ کسی وجہ سے تردید نہیں کر سکے تو صحابہ کرامؓ کو ضرور تردید کر دینی چاہئے تھی۔ جب ایسا بھی نہیں ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ موضوع ہے اور دل کے بجائے کوڑا خانہ میں ڈالے جانے کے لائق ہے۔

آیت کا صحیح مفہوم

آخراس آیت کریمہ کی صحیح تفسیر کیا ہے؟۔اس سلسلہ میں مفسرین کی آرا ذکر کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ آیت میں واقع لفظ تمنی کا معنی کیا ہے؟ تو سنئے علماء نے اس کے تین معنی ذکر کیئے ہیں۔اول یہ کہ تمنی بمعنی قرء ہے اور امنیۃ بمعنی تلاوت۔اس معنی کی تائید حضرت حسانؓ کے اس شعر سے ہوتی ہے جو کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر کہا تھا۔

تمنی کتاب اللہ اول لیلۃ وآ خرھالاقی حمام القادر

یعنی رات کے اول حصہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے اور رات کے آخری حصہ میں مقرر شدہ موت سے ملاقات کرلی دوسرمعنی حدیث یعنی بات کرنا ہے۔اورتمنی کا تیسرا معنی ہے۔آرزو کی۔یا دل میں خیال کیا واضح رہے کہ مفسرین سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں جو آراء منقول ہیں وہ انہیں معنوں کے گردگھومتی ہیں۔

عثمانی تفسیر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ احقر کے نزدیک بہترین اورسہل ترین تفسیر وہ ہے جسکی مختصر اصل سلف سے منقول ہے یعنی تمنی بمعنی قرآت و تلاوت ہے مطلب یہ ہے کہ قدیم عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا ہے یا اللہ کی آیات پڑھ کرسناتا ہے۔توشیطان اس کی بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔مثلا نبی نے آیت حرم علیکم المیتۃ الا یہ پڑھی تو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اوراللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں یا آپ نے انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم پڑھا تو اس نے شبہ ڈالا کہ ماتعبدون من دون اللہ میں تو حضرت مسیحؑ وعزیزؑ اور ملائکہ بھی شامل

ہیں۔ یا آپ نے حضرت مسیحؑ کے متعلق پڑھا کلمۃ القاھا الی مریم وروح منہ تو شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت عیسیٰ کی ابنیت اور الوھیت ثابت ہوتی ہے۔ اس القائے شیطانی کے ابطال اور رد میں پیغمبرؑ وہ آیات پڑھ کر سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں۔ اور ایسی پکی باتیں بتاتے ہیں کہ جن کو سن کر شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔ گویا۔ متشابہات کی ظاہری سطح کو لیکر شیطان جو اغوا کرتا ہے۔ آیات محکمات اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک شبہات کافور ہو جاتے ہیں تفسیر عثمانی,   (روح المعانی صفحہ ۱۷۳ جلد ۱۷)

اس تفسیر کے لحاظ سے تمنی بمعنی قرء ہے اور القاء شیطانی سے مراد قصہ غرانیق نہیں بلکہ شکوک وشبہات ہیں کما مر

الوانی تفسیر

رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ الوانی اس آیت کریمہ کا ربط سابقہ آیت والذین سعوا فی آیاتنا کے ساتھ جوڑتے ہوئے یوں تفسیر کرتے ہیں کہ جو لوگ ہماری آیتوں کو پست کرنے کے زعم باطل میں ناکام ساعی ہیں وہ دوزخی ہیں اور اے محبوب منؒ آپ سے پہلے جو رسول اور نبی ہم نے بھیجا ہے اس نے جب بھی کوئی بات کی یعنی مسئلہ ربانی بیان کیا تو فوراً شیطان نے اس بات میں کوئی نہ کوئی شبہ القا کر دیا تو منکروں کے دلوں میں اس کی نسبت وہی وسوسہ اور شک گردش کرتا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس شیطانی القاء ووسوسہ کا ازالہ فرما دیتا ہے۔ پھر اپنی آیتوں اور حکموں کو محکم فرما دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کے علم والا ہے اور ہر طرح کی حکمت والا ہے۔ اس القائے شیطانی اور وسوسہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اور جن کے دل قبول حق سے سخت ہیں وہ تو فتنے اور شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس تفسیر کے لحاظ سے تمنی بمعنی بات ہے۔ اسکی مزید وضاحت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے علوم کے امین شیخ

القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمتہ اللہ علیہ

یوں فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا پیغمبر کلام اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے تو اس وقت شیطان سننے والوں کے دلوں میں کئی شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے مثلا یہ پیغمبر جادوگر ہے۔ شاعر ومجنون ہے۔ اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے وغیرہ مشرکین ان شبھات کی وجہ سے راہ ہدایت سے دور ہوجاتے ہیں لیکن ایمان والوں کے دلوں کو اللہ تعالی ان ناپاک شبھات سے پاک فرمادیتا ہے۔ قریب قریب یہی مضمون قرآن مجید کی آیت ذیل میں بھی مذکور ہے۔ وکذالک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا (انعام) تھوڑا سا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اذا تمنی پر دو باتیں متفرع ہیں اول القی الشیطن دوم فینسخ اللہ ایک شیطان کا فعل ہے اور ایک اللہ کا پھر ہر ایک پر ایک ایک امر متفرع ہے القی پر لیجعل اور فینسخ پر لیعلم جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے

جواہرالقرآن صفحہ ۴۳۷ جلد ۲

ایک اور تفسیر

اگر تمنی کا معنی آرزو ومراد لیں تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب بھی کسی نبی نے کوئی آرزو کی تو شیطان نے رکاوٹیں ڈالیں تاکہ وہ پوری نہ ہو اور تمام انبیاء ورسل کی طرح خاتم الانبیاء کی بھی سب سے بڑی خواہش وآرزو اور تمنی یہ تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایمان لے آئیں۔ جیسا کہ اللہ تعالی نبی علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفاً کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کرڈالیں گے۔ لیکن شیطان رکاوٹیں ڈال کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایمان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالی ان رکاوٹوں کو دور فرماتے رہتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس آیت کریمہ کا قصہ غرانیق کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ اس آیت کریمہ میں تو نبی علیہ السلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ شیطان کی یہ کارستانیاں صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے جو رسول اور نبی آئے۔ان کے ساتھ بھی یہی کچھ کرتا آیا ہے۔تاہم آپ گھبرائیں نہیں شیطان کی ان سازشوں سے جیسے ہم نے پہلے انبیاء کو بچایا تھا ایسے ہی آپ کو بھی محفوظ رکھیں گے۔

۵۔ قصہ سیدنا زینبؓ اور خرافی داستان

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ الایۃ (الاحزاب ۳۷)

اگر یہ وضعی داستان کتب تفسیر میں درج نہ ہوتی تو ہم اسے کبھی بھی اس کتاب کا حصہ نہ بناتے۔ مگر اصل حقیقت کو واضح کرنے کیلئے اس داستان کو سپرد قلم کیا جا رہا ہے کہ جب کبھی اس پر نگاہ پڑے تو فوراً ذہن میں آ جائے کہ یہ ایک بے ہودہ اور خرافی داستان ہے کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام حضرت زیدؓ کی عدم موجودگی میں ان کے گھر تشریف لے گئے۔ تو حضرت زینبؓ پر اچانک نظر پڑ گئی۔ زینب کے حسن و جمال کو دیکھ کر حضور علیہ السلام کے دل میں ان کی محبت بیٹھ گئی چنانچہ آپ وہاں سے سبحان اللہ العظیم سبحان مقلب القلوب پڑھتے ہوئے واپس آ گئے۔ حضرت زیدؓ جب گھر آئے تو حضرت زینب نے پورا واقعہ ان کو سنا دیا یہ سن کر زید فوراً حاضر خدمت ہوئے طبری کی روایت کے مطابق آ کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر زینب آپ کو پسند آ گئی ہوں تو میں انہیں طلاق دے دیتا ہوں تو آپ ﷺ نے یہ سن کر زبان سے تو یہ کہہ دیا کہ امسک علیک زوجک واتق اللہ اپنی زوجہ اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر۔ مگر العیاذ باللہ آپ کے دل میں یہ بات تھی کہ کاش زید طلاق دے اور میں نکاح کر لوں تب اللہ پاک نے آپ پر عتاب فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ تیرے دل میں جو بات تھی تو اس کو چھپا رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر کرنا ہی تھا یہ ہی وہ کفریہ داستان ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔ زمخشری، نسفی، ابن جریر حتی کہ جلالین والے نے بھی اس واقعہ کے مطابق تفسیر کی ہے اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات

علامہ آلوسیؒ

فرماتے ہیں کہ قصہ گو لوگوں کے پاس اس واقعہ کے متعلق بھی ایسی لچر

باتیں ہیں کہ جنہیں ہرگز قبولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ آگے چل کر تحریر کرتے ہیں کہ یہ قصہ تو ہو بہو حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ کی طرح ہے۔ جو کچھ بھی ہو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کو اس قصہ سے بچانا واجب ہے۔

روح المعانی صفحہ ۲۵ جلد ۲۲

امام ابن کثیرؒ

فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر بعض سلف کی جانب منسوب کر کے چند آثار کو ذکر کیا ہے۔ ہم ان کی جانب التفات کرنا ذرہ برابر بھی پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ بالکل درست نہیں۔ اسلئے ہم انہیں یہاں ذکر نہیں کریں گے۔

ابن کثیر صفحہ ۵۴۰ جلد ۳

خازنؒ

خازنؒ نے بھی اسے راوی کا عظیم اقدام قرار دیا ہے۔ اور اسے حق نبی سے جہالت قرار دیا ہے۔

خازن صفحہ ۵۰۱ جلد ۳

علامہ عثمانیؒ

فرماتے ہیں کہ جو لغو اور دوراز کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین ومورخین نے درج کر دئے ہیں۔ انکی نسبت حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ لاینبغی التشاغل بھا (تفسیر عثمانی)

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ کہ یہ ایک اسرائیلی یا وضعی داستان تھی جس کا پردہ فاش ہونا بہت ضروری تھا ورنہ تو یہ واقعہ عقلاً بھی ناقابل اعتبار اور فضول ہے۔ بقول مفسر

خازنؒ کہ زینبؓ حضور علیہ السلام کی پھوپھی زاد بہن تھیں ۔ بچپن سے جوانی تک آپ کے سامنے رہیں خود آپ نے اصرار کر کے حضرت زیدؓ سے ان کی شادی کروائی اور شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں کرتیں تھیں ۔ کیونکہ ابھی تک پردے کا حکم بھی نہیں آیا تھا ۔ پھر اس دن کونسی خاص بات تھی کہ زینب اچانک العیاذ باللہ آپ کو پسند آ گئیں اور بقول مولانا سیوھارویؒ آپ نے اخلاق کریمانہ کے خلاف دل وزبان کی مطابقت چھوڑ دی اگر قرآن کی آیت کا یہی مطلب لے لیا جائے تو کیا پھر ایک لمحہ کیلئے بھی قرآن کو یہ حق حاصل ہے کہ ذات اقدس کو ایک نبی رسول اولوالعزم کی حیثیت میں پیش کر سکے ۔ (سبحنک ھذا بھتان عظیم)

صحیح تفسیر

صحیح تفسیر یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے متبنی حضرت زید کے ساتھ کر دیا چونکہ حضرت زینبؓ کے مزاج میں خاندانی نسب وشرف بسا ہوا تھا ۔ جبکہ حضرت زیدؓ کے دامن پر غلامی کا داغ تھا ۔ اس لئے ان کے درمیان موافقت نہ ہو سکی ۔ اس لئے حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا ۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار بھی کر دیا ۔ آپ ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے طلاق دینے سے منع کرتے رہے ۔ زید کے بار بار اصرار کرنے پر آپ نے سوچا کہ اگر زید طلاق دے دیں تو زینب اور اس کے خاندان کے (جو پہلے بڑی مشکل سے اس نکاح پر راضی ہوئے تھے) کی دل آزردہ کا مداوا اسی میں ہے کہ میں خود اس سے نکاح کر لوں ۔ لیکن اس میں آپ کو منافقین کے اعتراض اور پروپیگنڈے کا خدشہ تھا کہ وہ شور کریں گے کہ دیکھو محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ۔ جبکہ اس علیم وحکیم کو منظور یہ تھا کہ اس رسم جاہلیت کو خود آپ کے عمل سے ختم کیا جائے اس لئے خود خالق کائنات نے بھی آپ کو مطلع فرما دیا کہ زینب کو آپ کے نکاح میں دینے والا ہوں ۔ کیوں دینے والا ہوں اس کا جواب خود قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ دیا لکیلا یکون

علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاءھم کہ لوگوں کے دلوں سے یہ خیال باطل مٹا دیا جائے تاکہ اس کے بعد اس سلسلہ میں مومنوں کے دلوں میں کوئی تنگی اور رکاوٹ نہ رہے بقول حضرت عثمانی شاید یہی حکمت ہوگی جو اول زینب کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالی کو یہ معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت باقی نہ رہیگا۔ اس طرح یہ رسم بد خود آپ ﷺ کی ذات اقدس سے مٹوا دی گئی۔ اور آپ ﷺ پر واضح کر دیا گیا اس سلسلہ میں جہال و منافقین کے پروپگنڈے کا جو طبعی خطرہ آپ کو لاحق ہے دل سے نکال دیجئے کیونکہ خدا کے پیغمبر اس کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے (ملتقط من التفاسیر)

خلاصہ کلام یہ کہ آپ کے دل میں جو بات چھپی ہوئی تھی تو وہ منافقین کے پروپگنڈے کا خدشہ اور ڈر تھا۔ نہ یہ کہ العیاذ باللہ آپ حضرت زینب کی محبت دل میں چھپا رہے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ زید طلاق دے دے تو میں نکاح کرلوں۔

۶۔ ایک اور من گھڑت شان نزول

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا (دھر)

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے سلسلہ میں بہت سے مفسرین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسنؓ و حسینؓ بیمار ہوگئے۔ حضور علیہ السلام انکی عیادت کے لئے تشریف لائے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہؓ عیادت کیلئے حاضر ہوئے۔ اور حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ آپ بچوں کی صحت کے لئے کوئی نذر مان لیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ اور ان کی ایک باندی نے بھی نذر مان لی کہ اگر اللہ تعالی ان بچوں کو صحت دے دیں تو ہم تین تین روزے رکھیں گے۔ چنانچہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما صحت یاب ہوگئے۔ نذر کے مطابق روزے رکھنے

شروع کردیئے۔

لیکن حضرت علیؓ اور انکے گھر والوں کے پاس کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ چنانچہ حضرت علی ایک یہودی سے تین صاع جو ادھار لیکر آئے۔ سیدہ فاطمہؓ نے ایک صاع پیس کر پانچ روٹیاں پکائیں۔ کھانے کیلئے بیٹھے تھے کہ دروازے پر ایک سائل نے آواز لگائی السلام علیکم یا اہل بیت محمد انا مسکین۔ اے اہل بیت اس مسکین کو کھانا کھلادو۔ اللہ تعالی تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھلائے گا۔

سب نے ہاتھ روک لئے اور پانچوں روٹیاں سائل کو دے دیں گئی۔ اور پورا گھرانہ رات کو بھوکا رہا۔ دوسرے دن اسی وقت ایک یتیم آ گیا۔ اس کے مانگنے پر پانچ روٹیاں پھر اس کو دے دی گئیں۔ تیسرے روز ایک قیدی آ گیا مانگنے پر تیسرے دن اس کو روٹیاں دے دی گئیں۔ روایت میں سائلین کے رکیک اشعار بھی ہیں اور حضرت فاطمہ کے جوابی اشعار بھی

چنانچہ تیسرے دن جبرئیل سورۃ دھر لیکر آئے جس میں مذکورہ بالا آیت کریمہ بھی ہے۔ یہ روایت اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ روح المعانی میں موجود ہے

علامہ آلوسیؒ

علامہ آلوسی نے واحدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے۔ ترمذی اور ابن جوزی نے بھی اس کے موضوع ہونے کا فیصلہ دیا ہے۔ نیز فرمایا ہے آثار الوضع ظاہرۃ علیہ لفظاً و معنیً کہ اس واقعہ میں لفظاً و معنیً موضوع اور من گھڑت ہونے کی نشانیاں ظاہر اور واضح ہیں کما ھو الظاہر نیز یہ واقعہ تقاضا کرتا ہے کہ سورۃ دھر مدنی ہو جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ و فاطمہ رضی اللہ عنہ کی شادی مدینہ میں ہوئی ہے۔ جبکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے مدنی نہیں ہے۔ (روح المعانی)

محسوس ایسے ہوتا ہے کہ یہ ساری جعلی کارروائی اس واقعہ کے راوی اصبغ بن بنانہ کی ہے۔جس نے حب علی میں مبتلا ہونے کے بعد بکواس شروع کر دی تھی۔ جس وجہ سے وہ متروک ہوگیا۔ میزان الاعتدال صفحہ ۲۸۱ جلد ۱

۷۔ایک شان نزول اور سیاسی عصبیت

لیلۃالقدر خیر مین الف شھر

جب حضرت حسینؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ایک آدمی نے کھڑے ہوکر کہا کہ آپ نے تو مومنین کو رسوا کر دیا جس پر حضرت حسین کہنے لگے کہ مجھے ملامت مت کر کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ خواب میں اپنے منبر پر بنوامیہ کو دیکھا تو آپ پریشان ہوگئے جس پر اللہ تعالی نے سورۃ کوثر اور سورۃ قدر نازل فرمائی۔ جس میں فرمایا گیا لیلۃ القدر خیر من الف شہر۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب قدر بنوامیہ کے ایک ہزار مہینہ کے دور حکومت سے بہتر ہے۔

حقیقت یہ کہ آئمہ فن میں سے امام ترمذی نے اسے ضعیف اور ابن کثیر نے منکر جدا اور ابن جوزی نے من گھڑت ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اس کے بعد امام ابن کثیر نے تین وجوہ سے اس حدیث کا منکر اور ضعیف ہونا بیان کیا ہے۔اول یہ کہ بنوامیہ کا دور حکومت میں ۱۳۲ تک ۹۲ سال بنتے ہیں جبکہ الف شھر کے تقریبا ۸۳ سال بنتے ہیں۔لہذا معلوم ہوا کہ الف شھر سے دور بنوامیہ مراد نہیں ہے۔

ثانی اسطرح کہ یہ حدیث بنوامیہ کے دور حکومت کی مذمت کے لئے لائی گئی ہے۔ جبکہ اس سے یہ مقصد پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ شب قدر تو انتہائی مبارک اور اشرف رات ہے۔ اس رات کی یہ شرافت اور مقام ومرتبہ تبھی ثابت ہوسکتا ہے جبکہ اس کے مدمقابل بھی کوئی مبارک اور افضل چیز ہو جبکہ اس کے مقابلے میں ذکر ہے ایام بنوامیہ کا جو کہ اس حدیث کے مطابق انتہائی مذموم اور بے برکت تھے۔اس کی مثال تو ایسے ہی ہوئی جیسے تلوار

کی کاٹ کا موٹے ڈنڈے کے ساتھ تقابل کیا جائے۔ یا عالم فاضل کا فضل وکمال ظاہر کرنے کیلئے اس کا تقابل کس جاہل نکمے کے ساتھ کر دیا جائے۔

ثالث اسطرح کہ یہ سورۃ مکی ہے جبکہ دور بنوامیہ مدنی ہے اور منبر نبوی بھی بعد الہجرہ مدینہ میں ہی بنا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سارے وجوہ اس روایت کے انتہائی ضعیف اور منکر ہونے پر دلالت کرتے ہیں

ابن کثیر صفحہ ۹۲ جلد ۴

(باب رابع)

شیعی تفسیر کے چند نمونے

روافض لعنھم اللہ جہاں تحریف لفظی کے قائل ہیں وہیں انہوں نے تحریف معنوی میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ابن تیمیہ سے ان کی تفسیر باطل کے چند نمونے ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ تبت یدا ابی لھب وتب سے مراد ابوبکر وعمر ہیں

۲۔ لئن شرکت لیحبطن عملک۔ اے نبی اگر تو نے علیؓ کے ساتھ ابوبکر وعمرؓ کو خلافت میں شریک کیا تو تیرے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

۳۔ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرہ (البقرہ)
بقرہ سے مراد العیاذ باللہ عائشہؓ ہے

۴۔ فقاتلوا ائمۃ الکفر (التوبہ) آئمہ کفر سے مراد طلحہ وزبیر ہیں

۵۔ مرج البحرین سے مراد علیؓ و فاطمہؓ اور یخرج منھا اللولو والمرجان سے مراد حسنؓ وحسینؓ ہیں مقدمہ اصول التفسیر ابن تیمیہ صفحہ ۳۸

۶۔ انما انت منذر ولکل قوم ھاد (الرعد) منذر سے مراد حضورؐ اور ھاد سے مراد علیؓ ہیں ابن جزیر۔ الدر المنثور۔

۷۔ وتعیھا اذن واعیۃ (الحاقہ) سے مراد حضرت علی کے کان ہیں۔

۸۔ انہ کان ظلوما جھولا (الاحزاب) اس سے مراد ابوبکرؓ ہیں۔

۹۔ کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر (الحشر) العیاذ باللہ روافض

خذلھم اللہ شیطان کی تفسیر عمرؓ سے لیتے ہیں ۔

۱۰۔ یوم ترجف الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ (النازعات)

راجفہ سے مراد حسینؓ اور رادفہ سے مراد علیؓ ہیں۔

۱۱۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا (المائدہ)

الذین آمنوا سے مراد آئمہ اثنا عشریہ ہیں

۱۲۔ لا تتخذ والھین اثنین (النحل)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک امام پر اکتفا کرو دو امام مت بناؤ

۱۳۔ اشرقت الارض بنور ربھا (الزمر)

نور سے مراد امام ہے

۱۴۔ مثل الذین کفروا بربھم (ابراہیم)

- کافر سے مراد منکر ولایت علی ہے

۱۵۔ یالیتنی کنت ترابا (النبا) ای من شیعۃ ابی تراب

کاش کہ میں شیعان علی میں سے ہوتا (التبیان)

یہ چند شیعی تفسیریں مضمون کتاب کی مناسبت سے کتاب کے آخر میں ذکر کر دی گئی ہیں۔ ورنہ تفصیل کے لئے دفتر چاہئے اب دعا ہے کہ رب العلمین امت مسلمہ کو اسرائیلیات موضوعات اور سبائیات سے اجتناب کرنے اور تمسک بالکتاب والسنہ کی توفیق عطا فرمائے آمین

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر میں نے تو در گزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین